تربیت کی پہلی منزل

خرم مرادؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

دل کی زندگی ہو یا امت کی زندگی' قرآن مجید سے وابستہ ہے. صرف وہی صحیح راستہ بتاتا ہے' نور بخشتا ہے اور شفا عطا کرتا ہے. مجھے یقین ہے کہ آج بھی ہمارے لیے دنیا میں ترقی و سربلندی کا کوئی نسخہ کیمیا ہے تو قرآن ہے' آخرت میں نجات کی کوئی سبیل ہے تو قرآن میں ہے۔
آج بھی مسلمان پر قرآن کا وہی حق ہے جو چودہ سو سال پہلے تھا: اسے سنیں اور سنائیں' سمجھیں اور سمجھائیں' عمل کریں اور عمل کی طرف بلائیں' اس کو غالب کرنے کے لیے جہاد کریں. آج بھی قرآن ان کو وہی کچھ عطا کرے گا' جو چودہ سو سال پیشتر کیا تھا: دلوں کی نرمی اور گداز' آنکھوں میں نمی اور بصیرت' علم و حکمت کے گوہر تابدار' زندگی بسر کرنے کا سیدھا' آسان اور روشن راستہ' زمین میں علو و خلافت' آخرت میں مغفرت اور جنت۔

مجھ سے زیادہ کوئی نہیں جانتا کہ میرے پاس نہ وہ علم ہے نہ تقویٰ اور نہ عمل کہ میں درسِ قرآن کا منصب سنبھالنے کی جسارت کروں. نہ کہ یہ کہ جو کچھ کبھی کہا ہے' اسے کتابی صورت میں شائع کروں. لیکن میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ یہ میرے اوپر فرض ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی نعمت جتنی بھی عطا کی ہے' میں اسے سناؤں' بیان کروں' اور اس کی طرف بلاؤں. اس لیے کہ جس نے کتاب دی ہے' اس نے یہ عہد بھی لیا ہے کہ تم اسے بیان بھی کرو گے. اور جو اس عہد کو پورا نہ کریں اور اس کتاب کو چھپا کر بیٹھ جائیں' انھیں اس نے اپنی' فرشتوں کی' اور سارے انسانوں کی لعنت کی وعید سنائی ہے. نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی فرمایا ہے کہ بلّغوا عنّی و لو کان آیۃ. اللہ کے عہد کا ایفا اور اسی ارشاد نبوی کی تعمیل ہی میں' یہ جرأت کرتا ہوں کہ' اپنے

علم و دانست کی حد تک، قرآن کا پیغام سناؤں۔ اسی کوشش کا نتیجہ یہ درس ہے جو پیشِ خدمت ہے۔

ان دروس میں آپ صرف و نحو کی گتھیاں نہیں پائیں گے، نہ شانِ نزول کی روایات، نہ فقہ و کلام کے مسائل و مباحث اور نہ منطقی استدلال، ان کا مقصد صرف ابلاغِ پیغام اور تذکیر ہے۔ دلوں کی زندگی کا سامان اور دعوتِ عمل ہے۔ کم علمی اور کم مائیگی کے باوجود وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ پر یقین اس کی بنیاد ہے۔ دل کی صدا یہی ہے: فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ

قرآن پیغام ہے دعوت اور جہاد کا، مخلوقِ خدا کو صراطِ مستقیم پر چلانے کی جدّ و جہد کرنے کا اور رب سے ملاقات کے وقت اس کی رضا اور جنت کی آرزو کا۔

یہ راہ آسان اور روشن تو ہے مگر پُرخطر بھی ہے۔ اس راہ پر چلنے کے لیے جو انسان مطلوب ہے، وہ ہم سب بن سکتے ہیں۔ لیکن بننے کے لیے تزکیہ و تربیت کی ضرورت ہے۔ اس راہ کے امام اپنے حبیب اور رسول، محمد مصطفٰے صلی اللّٰہ علیہ وسلم کو اللّٰہ تعالیٰ نے اس مقام پر کھڑا کرتے ہی، اپنی تربیت اور تزکیہ کے لیے جو زادِ راہ تھمایا ہے، وہ نماز، قیامِ لیل، تلاوتِ قرآن، دعوت الی اللّٰہ ذکر و اخلاص، صبر، اخلاقِ حسنہ اور استغفار جیسے بنیادی اعمال پر مشتمل ہے۔ یہی زادِ راہ آپ کے لیے دعوت و جہاد کی راہ کا اصل سرمایہ تھا، اور یہی دنیا و آخرت میں کامیابی کا ضامن بھی ہے۔

سورہ مزمل کی ان چند آیات (۱-۱۱) میں تربیت کی اس پہلی منزل کا بیان ہے۔ میں نے اس کتابچے میں ان آیات میں جو تربیت کے اوّلین کورس کو بیان کیا گیا ہے، وہی آپ تک پہنچانے کی کوشش کی ہے۔

اللّٰہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس حقیر کوشش کو قبول فرمائے، میری کسی بات کو میرے خلاف حجت نہ بنائے اور لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ کے زمرے میں شامل ہونے سے بچا لے؛ میرے لیے اصل حاصل قارئین کی داد و تحسین نہیں، بلکہ عند اللّٰہ قبولیت ہے، جس کا ایک ذریعہ آپ کا عمل اور میرے لیے آپ کی دعا ہے۔ اس لیے میری درخواست ہے کہ اگر آپ اس تحریر کو اپنے لیے نافع پائیں تو اللّٰہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ میرا خاتمہ ایمان پر کرے اور مجھے اپنی مغفرت سے ڈھانپ لے۔

خرم مراد

لاہور

۷ رمضان المبارک ۱۳۱۵ ۱۸ر فروری ۱۹۹۴ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تربیت کی پہلی منزل

شان نزول

آغازِ وحی

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم غارِ حرا سے اتر کے واپس حضرت خدیجہؓ کے پاس تشریف لائے، اور اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ کا پیغامِ الٰہی ساتھ لائے، تو آپؐ کا دل کانپ رہا تھا۔ جو پندرہ سال سے رفیقۂ حیات تھیں، آتے ہی ان سے فرمایا:

زَمِّلُوْنِیْ زَمِّلُوْنِیْ (مجھے چادر اُڑھا دو! مجھے چادر اُڑھا دو!)

انہوں نے آپؐ کو چادر اڑھا دی۔ کچھ دل کو قرار آیا تو انہیں سارا ماجرا سنایا، پھر فرمایا:

لَقَدْ خَشِیْتُ عَلٰی نَفْسِیْ (مجھے اپنی جان کا ڈر ہے۔)

بہت قریب سے دیکھنے والی بیوی خوب جانتی تھیں کہ آپؐ کا دامن کن اخلاقی دولتوں سے مالا مال ہے، چناں چہ انہوں نے تسلّی اور سہارا دینے کے لیے، یہی دامنِ پاک آپؐ کو اُڑھا دیا اور فرمایا۔ "نہیں، ہرگز نہیں! اللہ آپؐ کو کبھی بھی رسوا نہیں کرے گا۔ آپؐ رشتہ داروں سے حسن سلوک کرتے ہیں، سچ بولتے ہیں، بے سہارا اور معذور لوگوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، محروموں کے لیے

کماتے ہیں، مہمانوں کی خاطر مدارات کرتے ہیں، اور حق کے معاملے میں جو بن پڑتا ہے، اس میں مدد کرتے ہیں۔" (بخاری)

جان کا ڈر کیوں؟

قلبِ مبارک پر نزولِ کتاب ہوتے ہی حضورؐ کیوں کانپ اٹھے، اور آپ کو اپنی جان کا ڈر کیوں لگا؟ یہ بڑا اہم اور نازک سوال ہے۔ لیکن اس سوال کا قطعی جواب ممکن نہیں، میرے علم کی حد تک اس راز کا سراغ قرآن و حدیث میں واضح طور پر نہیں ملتا۔ کیا اس لیے کہ جبریلؑ کو دیکھا جو شدید القویٰ اور امین تھے؟ اس لیے کہ انہوں نے آپ کو پکڑ کر خوب بھینچا؟ یا اس لیے کہ یہ ایک بالکل نیا اور انوکھا مشاہدہ تھا جس نے ہیبت طاری کر دی؟ اس وجہ سے ہوا تو کوئی تعجب کی بات نہیں، کہ رسولؐ پر وہ سارے اثرات پڑ سکتے ہیں جو ایک بشر پر پڑتے ہیں۔ حضرت موسیٰؑ نے بھی عصا کو اژدھا بنتے دیکھا تھا تو خوف زدہ ہو گئے تھے۔ حضورؐ نے بھی (بخاری و مسلم میں حضرت جابرؓ کی روایت کے مطابق) فرمایا ہے کہ میں نے فرشتے کو دیکھا تو رعب کے مارے زمین پر گر پڑا۔

یہ بھی ظاہر ہے کہ جسدِ خاکی میں مکین دل نے اس ذات سے کلام کیا جو لامکان و لامحدود ہے تو اسے لرز ہی جانا چاہیے تھا۔ اس لیے کہ اس کلام کی عظمت کو یوں بیان کیا گیا ہے کہ "اگر یہ قرآن ہم نے کسی پہاڑ پر اتارا ہوتا تو تم دیکھتے کہ وہ اللہ کی خشیت سے پست ہو جاتا اور پھٹ جاتا"۔ چناں چہ قلبِ محمدی صلے اللہ علیہ وسلّم کانپ اٹھا تو کیا تعجب ہو سکتا ہے۔

لیکن "جان کا ڈر" ہوا تو کیا اس کا سبب اس مشاہدہ و کلام کے سوا کچھ اور بھی تھا؟ میں سمجھتا ہوں کہ یہ رسالت اور دعوت و جہاد کا عظیم و گراں بار کام تھا، اس کے جاں گسل اور کٹھن مراحل تھے۔ جن کے احساس نے نہ صرف دل کو کپکپا دیا، بلکہ جان کا ڈر بھی پیدا کر دیا ـــــــ وہ ڈر جو بالآخر ہجرت کی رات حقیقت بن گیا۔

"اپنے رب کے نام سے پڑھو"، کے مختصر الفاظ میں آنے والے سارے مراحل کی تصویر موجود ہے۔ پڑھو، یعنی سناؤ، کہ قرآن حضورؐ کے ہاتھ میں آج کی طرح کتابی صورت میں نہ تھا۔ انسانوں کو مخاطب کرو، وہ سناؤ جو تمہارا رب تمہارے منہ میں ڈالے۔ اس کے نام سے سناؤ! گویا اعلان کرو کہ اس کے رسول بن کر آئے ہو۔ اس کی طرف پکارو جو خالق، رب اور علم کا سرچشمہ ہے۔ یکہ و تنہا کھڑے ہو جانا، خالقِ کائنات کا نمائندہ ہونے کا دعویٰ کرنا، لوگ سنیں یا نہ سنیں، مانیں یا نہ مانیں تم ہر حال میں صبر کے ساتھ پیغام پہنچاتے رہنا، اندھیروں میں چراغ جلانا۔ یہ وہ کام تھے کہ، ورقہ بن نوفل نہ بھی بتاتے تب بھی حضورؐ کے لیے یہ احساس کرنا مشکل نہ تھا کہ یہ جان گھلا کر رکھ دینے والے کام ہیں۔ شرک و کفر اور ظلم و فساد کا گھٹا ٹوپ اندھیرا، مکّہ اور طائف کے سرداروں کی طرف سے مخالفت و مزاحمت اور عوام النّاس کی جہالت — غرض کہ کیا تھا جو حضورؐ سے چھپا ہوا ہو سکتا تھا۔

تھوڑے ہی وقفے کے بعد، اللہ تعالیٰ نے کلام کیا تو بات کو کھول دیا:

کھڑے ہو جاؤ، سب کو آگاہ و خبردار کرو، کہ تمہارے رب سے بڑا کوئی نہیں، اس کی کبریائی کا اعلان کرو اور اس کی کبریائی قائم کرو۔ اپنے دامن و دل کو پاک کرو۔ شرک کی ہر گندگی سے دور رہو، اپنے کام کو بہت نہ سمجھو۔ اور اگر لوگ مان کر نہ مانیں تب بھی صبر کے ساتھ کام میں لگے رہو۔ (المدثر ۷۴: ۱ تا ۶)

یہ پُرخطر اور عظیم کام اور قوم کا حال دیکھ کر، اگر حضورؐ کپکپا اٹھے، پیچھے ہٹے، پریشان ہوئے، فکرمند ہوئے، قوم کی فکر میں بے قرار اور مغموم ہوئے اور چادر میں لپٹنا چاہا، تو یہ بالکل فطرتِ انسانی کے مطابق تھا۔ اور رحمتِ الٰہی کا تقاضا یہی تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنا دستِ شفقت دراز کرتا، آپؐ کو لطف و محبت سے سہارا دیتا، آپؐ کی اندرونی کیفیات کے لیے علاج تجویز کرتا، اور آپؐ کو آنے والے صبر آزما مراحل کے لیے زادِ راہ عطا فرماتا، چناں چہ سورۂ المزمل

راہِ حق کی پہلی منزل کے لیے روشنی بن کر اتری، اور آپؐ کو وہ سب کچھ عطا کر دیا گیا جو اس منزل میں آپؐ کو درکار تھا۔

زمانۂ نزول :

سورۂ المزمل بالکل ابتدائی سورتوں میں سے ہے، بعض روایات کے مطابق تیسری یا چوتھی وحی۔ لیکن کلام سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ سورہ اس وقت نازل ہوئی ہو گی جب آپؐ کے پاس اتنا قرآن آچکا ہو گا کہ قیامِ لیل میں پڑھا جا سکے، جب آپؐ دن بھر دعوت الی اللہ میں مشغول رہتے ہوں گے اور جب اچھی خاصی مخالفت بھی شروع ہو چکی ہو گی۔ گویا یہ دعوت عام اور انداز عام کے دور کا آغاز ہو گا۔

شانِ نزول :

ظاہر ہے کہ اس سورہ کی شانِ نزول حضورؐ خود ہیں۔ آپؐ کی پریشانی، فکر مندی، بے قراری اور غم و اندوہ کی وہ اندرونی اور نفسیاتی کیفیات ہیں جو آپؐ کو کارِ رسالت کرتے ہوئے درپیش تھیں، آپؐ کی وہ ضروریات ہیں جو آپؐ کو یہ کام انجام دینے کے لیے درکار تھیں: غم گساری اور تسلّی، سکون اور سہارا، محبّت اور لطف و عنایت، دل جمعی اور ثبات، حوصلہ اور ہمّت، قوّت اور صبر اور خالق اور خالق کے کلام کے ساتھ زیادہ سے زیادہ اتصال۔ اس سورہ میں یہی نسخۂ شفا ہے اور یہی زادِ راہ بھی۔

یہ بھی ظاہر ہے کہ اس سورہ کا سببِ نزول کسی نہ کسی درجہ میں ہم اور آپ بھی ہیں۔ اس لیے کہ ہم اور آپ مسلمان ہیں اور ہر اس شخص پر جو امّت مسلمہ میں شامل ہے شہادت اور دعوت و جہاد کی ذمّہ داری اُسی طرح عائد ہوتی ہے جس طرح حضورؐ پر عائد تھی ـــــ اپنے اپنے دائرے میں، اپنی اپنی استطاعت کی حد تک۔ لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ط (الحج ۲۲ : ۷۸)۔ جو حضورؐ کا پیرو کار ہونے کا مدعی ہے، اسے وہ کام

تو سب سے پہلے کرنا ہوگا جو حضورؐ عمر بھر ہر دم کرتے رہے۔

اور اگر کہیں اللہ تعالےٰ نے اپنی رحمت سے آپ کو بحیثیت مسلمان اپنی اس ذمّہ داری کا شعور دے دیا ہے اور آپ دعوت و جہاد کے اس راستے پر آکھڑے ہوئے ہیں جو حضورؐ کا راستہ ہے تو آپ کو سمجھ لینا چاہیے کہ یہ سورہ آپ ہی کے لیے اتری ہے، آپ کو مخاطب کر رہی ہے، آپ کی کیفیات و ضروریات اس کی شانِ نزول ہیں۔ اس لیے کہ آپ کو کسی نہ کسی درجے میں وہ اندرونی کیفیات ضرور پیش آئیں گی جو حضورؐ کو پیش آئیں۔ ان کا علاج سورۃ المزمل ہی ہے اور آپ کسی نہ کسی طور پر ان مراحل سے بھی گزریں گے جن سے حضورؐ گزرے۔ ان مراحل سے کامیابی کے ساتھ گزر جانے کے لیے جو زادِ راہ ناگزیر ہے، وہ بھی سورہ المزمل میں ہے۔

خطابِ دل نواز

یٰٓاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ

اے چادر میں لپٹنے والے!

یہ خطاب دل نواز ہی نہیں، گرہ کشا اور سامانِ سکون و اطمینان بھی ہے اور نسخۂ شفا بھی۔ دل پر بیتنے والی کیفیات کا عکّاس بھی، مراحلِ دعوت و جہاد کا نشان بھی، گو ایک لفظ ہی پر مشتمل سہی۔

حضورؐ غارِ حرا سے اتر کے آئے۔ تو پہلے یہی الفاظ زبان پر تھے: زَمِّلُوْنِیْ (مجھے چادر اڑھادو!) اللہ تعالےٰ کا یہ خطاب حضورؐ کے انہی الفاظ پر مبنی ہے۔

لیکن کیوں؟

چادر اہلِ عرب ہی میں نہیں، دنیا جہاں میں ایک معروف اور پسندیدہ

لباس ہے۔ سیدھا سادا، نہ ڈیزائن، نہ کٹائی، نہ سلائی۔ لیکن اہلِ عرب جب کسی سے بہت اپنائیت، پیار، محبت اور لطف و عنایت کا اظہار کرنا چاہتے، تو ان کا طریقہ تھا کہ جس ظاہری حال اور وضع میں مخاطب ہوتا اسی وضع کے حوالے سے خطاب کرتے، جیسے حضورؐ نے حضرت علیؓ کو ابو تراب کہہ کر پکارا۔

حضورؐ گھر سے باہر نکل کر اپنے رب کا کام کرتے تو چادر پہنتے، راتوں کو نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو چادر لپیٹتے، بیرونی مخالفتیں اور اندرونی کیفیات ہجوم کرتیں تو چادر میں لپٹنا اور چادر کے دامن میں پناہ لینا چاہتے۔ جو حالت بھی ہو، جب رب کی طرف سے لطف و محبّت کے حاجت مند ہوتے، چادر ہی اوڑھے ہوتے اور رب نے صرف "اے چادر میں لپٹنے والے" کا پیار بھرا خطاب اسی لیے کیا کہ آپؐ کی جھولی کو لطف و محبت سے بھر دے۔

چادر صرف ظاہری وضع ہی نہیں، چادر میں لپٹنا اندرونی کیفیات کا اظہار بھی ہے۔ جب کام بس سے باہر لگے، جب مشکلات قابو سے باہر ہونے لگیں، جب تنہائی اتنی بڑھ جائے کہ جیسے آدمی اندھیری رات میں اکیلا جاگ رہا ہو اور سب کو اٹھا رہا ہو لیکن نیند کے نشہ میں مدہوش آنکھ کھولنے کو تیّار نہ ہوں، جب حق روزِ روشن کی طرح اسے نظر آتا ہو لیکن گرد و پیش کے لوگ اسے جھٹلانے پر تُلے رہیں، تو چادر اوڑھ کر، منہ لپیٹ کر، لیٹ جانے کی زبردست خواہش کا تجربہ کسے نہیں ہوتا؟

حضورؐ کو دعوتِ حق کے عظیم الشّان کام میں حزن و غم اور فکرمندی کی کیا کیفیات پیش آتی تھیں؟

لوگ آپؐ کے اللہ کے رسول ہونے کو اور قرآن کے کلامِ الٰہی ہونے کو جھٹلاتے تھے۔ آپؐ کی کیفیت اس طرح کی ہوتی تھی کہ گویا آپؐ دن کو دن کہہ رہے ہوں، اور سننے یا دیکھنے والے رات کہنے پر مصر ہوں، آپؐ کا دل چاہتا تھا کہ ساری قوم ایمان لے آئے، لیکن لوگ انکار پر تُلے ہوئے تھے۔ آپؐ دیکھتے تھے

کہ قوم پر عذاب منڈلا رہا ہے، لیکن لوگ غافل اور بے پروا تھے۔ یہی نہیں، بلکہ قوم کے سرداروں نے آپؐ اور آپؐ کے ساتھیوں کے خلاف ظلم و جور کا بازار گرم کر دیا تھا۔ "ایسے حالات میں آپؐ کا متفکّر و مغموم رہنا ایک امر فطری تھا" اور "فکر و غم کی حالت میں آدمی کی چادر اس کی بہترین غم گسار ہوتی ہے"۔

آپؐ کی ساری کوششوں کے باوجود، جب لوگوں کی دشمنی اور انکار میں اضافہ ہی ہوتا، تو آپؐ کو یہ گمان بھی ہوتا کہ اس میں میری کوتاہی کو دخل نہ ہو، محنت کا حق ادا نہ ہو رہا ہو، حکمت اور اخلاق میں کوئی بات معیارِ مطلوب سے کم تر نہ رہ گئی ہو۔ اسی لیے آپؐ ایک دن میں سو سو بار توبہ استغفار کرتے۔

ان کیفیات میں یٰٓاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ کا یہ پیار بھرا خطاب رحمت و شفقت کا ایک جھونکا اور محبّت کا ایک پیغام ہے۔ آپؐ کے لیے سکون و طمانیت کا سامان ہے۔ اور آپؐ کے لیے تزکیۂ نفس کی وہ راہ چلنا آسان کرتا ہے جو اللّٰہ کی بندگی اور دعوت و جہاد کی تیّاری کے لیے ناگزیر ہے۔ یہی راہ ہے جسے یہ سورہ آپؐ کے لیے کھولتی ہے۔

قیامِ لیل

فرمایا:

قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا نِّصْفَہٗٓ اَوِانْقُصْ مِنْہُ قَلِیْلًا اَوْ زِدْ عَلَیْہِ ط

رات کو کھڑے رہا کرو (نماز میں) سوائے تھوڑے حصّے کے، (یعنی) آدھی رات، یا اس سے کچھ کم کر دو، یا اس سے کچھ زیادہ کر دو۔

رات میں قیام کرو اور نماز پڑھو، یہ اسی راہ کا پہلا قدم ہے۔ یہ پہلی ہدایت ہے اور بڑی اہم ہدایت ہے۔ رات کی نماز ہی سے وہ خوبیاں اور وہ صفات

پیدا ہو سکتی ہیں، جو اللہ کی راہ پر چلنے کے لیے ضروری ہیں، اور جن سے اللہ کی راہ پر چلنا آسان ہوتا ہے۔

ہم آپ مخاطب ہیں :

اسی لیے، اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلے اللہ علیہ وسلّم کو یہ ہدایت دی ہے۔ اس کے مخاطب وہ بھی تھے جو آپؐ کی دعوت قبول کر کے آپؐ کا ساتھ دے رہے تھے۔ اس لیے اگرچہ یہ خطاب صرف آپؐ سے ہے اور آپؐ کی ظاہری وضع اور حالت کے حوالے سے ہے، لیکن سورہ کی آخری آیات بتاتی ہیں کہ جو لوگ آپؐ کے ساتھ تھے، وہ بھی، اس ہدایت کی تعمیل میں، رات کو نماز کے لیے کھڑے ہوا کرتے تھے۔ اس لیے اس کے مخاطب وہ سب بھی ہیں جو آپؐ کے بعد آپؐ کی پیروی کریں۔ خاص طور پر وہ جو رسالت کا وہی کام کرنے کے لیے کھڑے ہوئے ہوں جو اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے بعد، آپؐ کی امّت کے سپرد کیا ہے۔ چناں چہ اس کے مخاطب ہم اور آپ سب ہیں۔

رات کا قیام کس لیے ہے ؟ یہ قیام کیوں ضروری ہے ؟ اس سے کیا حاصل ہوتا ہے ؟ سب کچھ ابھی قرآن خود ہی آپ کے سامنے کھول دے گا۔

کتنی رات ؟

پہلے یہ دیکھیے کہ کتنی رات قیام کرنے کی ہدایت ہے ؟ الفاظ بتا رہے ہیں کہ آدھی رات۔ لیکن اس سے کم بھی کر سکتے ہیں اور زیادہ بھی۔ مقدار میں یہ سہولت اس لیے ہے کہ رات کو اٹھ کر نماز پڑھنا ویسے ہی ایک بہت مشکل کام ہے اور سب کے لیے کسی ایک مقدار کی پابندی ممکن نہیں۔ پھر روز آدھی رات کے قیام کی پابندی تو اور بھی مشکل ہے۔ یہ سہولت اس لیے بھی ہے کہ رات کے وقت مقدار کا حساب رکھنا دشوار ہے، خصوصًا جب سو کر اٹھنا ہو۔ لیکن جس کے بس میں ہو، ان الفاظ کے مطابق، اس کے لیے آدھی رات کو نماز پڑھنا ہی اولیٰ ہے۔

انسان کے حالات، ضروریات اور کمزوریوں کے لحاظ سے سہولتیں دینا، حکمتِ دین کا ایک بڑا اہم اصول ہے۔ یہی اصول یہاں واضح ہوتا ہے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب مٹھی بھر منتخب لوگ آپؐ کے ساتھ تھے۔ آگے آپ دیکھیں گے کہ جب امت کا دائرہ وسیع ہونے کا وقت آگیا تو پھر سب کو رات کے قیام کی جگہ دن میں پانچ وقت کی نماز کا حکم دیا گیا اور ان نمازوں کی مقدار اور اوقات بھی مقرر کر دیے گئے۔ آدھی رات کو نماز میں تلاوتِ قرآن کرنے کے بجائے یہ سہولت دے دی گئی کہ "جتنا قرآن آسانی سے پڑھ سکو، وہ پڑھ لو"۔ مزید رحمت یہ کہ، فجر اور عشا کی باجماعت نمازوں پر پوری رات کے قیام کے اجر کا وعدہ کیا گیا۔

رات میں کس وقت ؟

رات کے کس حصہ میں قیام مطلوب ہے ؟ قرآن کے بیان سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ جب آدمی سونے کے بعد اٹھے، وہی وقت زیادہ موزوں ہے، اس لیے کہ آگے اس قیام کو نَاشِئَةَ اللَّيْلِ (رات کو اٹھنا) کہا گیا ہے۔ یعنی رات کے آخری حصہ میں۔ قرآن نے دوسرے مقامات پر بھی اسی وقت کی نشان دہی کی ہے۔

كَانُوا قَلِيلًا مِّنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُونَ ۝ وَبِالْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ ۝

(الذاریات ۱۷ : ۱۸)

رات میں وہ کم ہی سوتے تھے اور سحر کے وقت وہ استغفار کرتے تھے۔

إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا ۝ وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهِ نَافِلَةً لَّكَ ۝ (بنی اسرائیل ۱۷: ۷۸ - ۷۹)

کیوں کہ قرآنِ فجر مشہود ہوتا ہے اور رات کو تہجّد پڑھو، یہ تمہارے

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم بھی بالعموم رات کے آخری حصّہ ہی میں قیام کرتے تھے۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول اللہؐ شروع رات میں سوتے تھے اور آخر رات میں جاگتے تھے۔ حضرت مسروقؓ کو انہوں نے بتایا کہ آپؐ اس وقت اٹھتے تھے جب مرغ بانگ دیتا تھا (بخاری، مسلم) حضرت عبد اللہ بن عبّاسؓ ایک رات اپنی خالہ، اور حضورؐ کی بیوی، حضرت میمونہؓ کے پاس ٹھہر گئے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ آپؐ نے تھوڑی دیر اپنی بیوی سے باتیں کیں، پھر سو رہے۔ جب رات کا آخری تہائی حصّہ، یا اس سے بھی کچھ کم، باقی رہ گیا تو آپؐ نماز کے لیے اٹھے۔ (بخاری)

حضرت عائشہؓ کی ایک روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ بعض اوقات عشا اور فجر کے درمیان (کسی وقت بھی) تہجّد پڑھ لیا کرتے تھے۔ (بخاری، مسلم)

انہوں نے یہ بھی کہا کہ "اللہ آپؐ کو جب چاہتا، بیدار کرتا۔"

حضرت عائشہؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ حضورؐ نے رات کے ہر حصّہ میں وتر پڑھے ہیں: شروع رات میں، درمیان اور آخر میں۔

بعض روایات سے ثابت ہے کہ آپؐ رات کو بار بار اٹھ کر بھی نماز پڑھتے تھے۔ یعنی، اٹھتے، نماز پڑھتے، پھر سو رہتے، پھر اٹھتے اور نماز پڑھتے۔ حضرت ابن عباسؓ نے دیکھا کہ آپؐ اٹھے، مسواک کی، وضو کیا، پھر دو رکعت نماز پڑھی۔ پھر آپؐ لیٹ گئے اور سو گئے یہاں تک کہ خرّاٹے لینے لگے۔ تین بار آپؐ نے ایسا کیا۔ اور کُل چھ رکعتیں پڑھیں۔ (مسلم)

حضرت زید بن خالدؓ نے بھی حضورؐ کو اسی طریقے سے بارہ رکعت پڑھتے دیکھا۔ (مسلم، مالک، ابو داؤد)

حضرت حمیدؓ ایک سفر میں اسی طرح پڑھنے کی روایت کرتے ہیں۔ (نسائی)

بہتر تو آدھی رات کے بعد ہی کا وقت ہے۔ لیکن امت کی سہولت کی خاطر، اپنی اپنی استطاعت کے مطابق، کسی بھی وقت پڑھنے کی گنجائش حضورؐ نے دی ہے۔

تلاوتِ قرآن

رات کا قیام کس لیے ؟

فرمایا :

وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ط

اور قرآن خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھو !

قرآن کے لیے ! اگرچہ نماز میں رکوع و سجود اور تکبیر و تسبیح سب شامل ہیں، مگر قیامِ لیل کا اصل مقصود یہی ہے۔ قرآن کی صحبت میں رات کے پُرسکون لمحات گزارنے کے لیے، قرآن میں ڈوبنے کے لیے، قرآن سے زبان کو تر رکھنے کے لیے، قرآن کو دل و دماغ کی غذا بنانے کے لیے، اور قرآن کو اسی کے حضور حاضر ہو کر پڑھنے اور سننے کے لیے جس نے قرآن دیا ہے، جس کا وہ کلام ہے۔

قرآن کیوں ؟

تبلیغ و رسالت کا بوجھ قرآن ہی کو پہنچانے کا بوجھ ہے، شہادتِ حق کی ذمہ داری قرآن ہی پر گواہی کی ذمہ داری ہے، اقامتِ دین کی منزل قرآن ہی کو قائم کرنے کی منزل ہے۔ جس کو ان میں سے کوئی بھی کام، کسی درجے میں بھی کرنا ہو، اس کو سب سے پہلے قرآن کو جاننا سمجھنا چاہیے اس سے قریب ہونا چاہیے اور اپنے دل کو اس کا مسکن بنانا چاہیے۔ یہ مقام رات کی تنہائی اور سکون میں،

اپنے رب کے حضور کھڑے ہو کر، آیاتِ قرآنی کی تلاوت ہی سے حاصل ہو سکتا ہے۔ جو شخص دعوت وجہاد کا مدّعی ہو لیکن وہ قرآن آشنا نہ ہو، اس کے پاس قرآن ہی کے لیے وقت نہ ہو، وہ ان عظیم کاموں کو کیسے صحیح انجام دے سکتا ہے۔ اُن کی حقیقت سے کیسے آشنا ہو سکتا ہے، ان کو اپنے دل میں جگہ کیسے دے سکتا ہے، ان کے لیے وقت کیسے نکال سکتا ہے !

یہ بات قرآن ہی آپ کو بتائے گا کہ اس کا پیغام اور دعوت کیا ہے۔ اس کے احکام کیا ہیں، اس کی راہ پر چلنے کے طریقے کیا ہیں؟ قرآن ہی اللہ اور اس کے رسولؐ کو، اور ان پر ایمان اور اس کے تقاضوں کو، آپ کے لیے سب سے بڑھ کر محبوب بنائے گا، انہیں دل کے اندر اتارے گا اور راسخ کر دے گا، آپ کے دل میں سجا دے گا، کفر، فسق اور نافرمانی کو آپ کے لیے تلخ و ناگوار بنا دے گا۔ قرآن ہی آپ کے لیے عمل اور جدوجہد کی راہیں کھولے گا اور اس کے لیے استعداد بھی پیدا کرے گا۔ قرآن تو ہے ہی اوّل تا آخر عمل کی دعوت۔ کلامی وفقہی بحث سے قطع نظر، ایمان کی دعوت بھی عمل ہی کی دعوت ہے۔ عمل کے لیے تقویٰ کی ضرورت ہے، ایمان بالغیب کی ضرورت ہے، بنیادوں کی ضرورت ہے، منزل بہ منزل عمارت تعمیر کرنے کی ضرورت ہے، یہ ساری ضرورتیں بھی قرآن ہی پوری کرے گا۔ قرآن آپ میں عزم و ارادہ پیدا کرے گا۔ اور ہمّت و حوصلہ بڑھائے گا۔

قرآن ہی آپ کو ہدایتِ الٰہی کی تبلیغ اور اقامتِ دین کی راہ بتائے گا۔ اس کے مراحل و منازل سے آگاہ کرے گا، اس کی حدود و نشانات واضح کرے گا اور ان تدابیر کی نشاں دہی بھی کرے گا جن سے آپ، اس کے بتائے ہوئے طریقِ انقلاب پر چلتے ہوئے، اصولوں کی حدود میں اپنی منزل کی طرف پیش رفت کر سکیں۔ قرآن کا اپنا طریقِ دعوت و تبلیغ، اسلوب بیان، طرزِ استدلال آپ کا سب سے بڑا رہنما بن جائے گا۔ صحیح اور غلط کے درمیان فرق و تمیز کرنے کے لیے وہ آپ کے دل میں اور

نگاہوں کے سامنے فرقان کی میزان آویزاں کر دے گا۔

قرآن ہی آپ کو تسلّی دے گا، آپ کا سہارا بنے گا، آپ کا غم گسار ہوگا، حزن و غم کا مداوا بنے گا، خوف کو دور کرے گا، مشکلات ہوں گی تو دست گیری کرے گا، الجھنیں ہوں گی تو صاف کرے گا، افکار و آلام کا مداوا کرے گا۔ وہ آپ کے سفر کا ساتھی (صاحب فی السفر) ہوگا۔ دل کا اطمینان بن کر ساتھ ساتھ رہے گا۔ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ط بے شک اللہ کی یاد ہی سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے۔ قرآن سے بڑھ کر اللہ کی یاد کا سامان اور کہاں ہے !

ترتیل سے تلاوت :

ہدایت ہے کہ قرآن کی تلاوت ترتیل کے ساتھ کرو۔ ترتیل کے معنی "راغب اصفہانی" کے نزدیک، "سہولت اور تناسب کے حسن کے ساتھ کلمات کو ادا کرنا ہے"۔ ہمارے مترجمین قرآن مجید کے نزدیک ترتیل کے معنی ہیں، خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں (سیّد مودودیؒ) کھول کھول کر صاف پڑھیں (شیخ الہندؒ) خوب صاف صاف پڑھیں کہ ایک ایک حرف الگ الگ ہو (مولانا تھانویؒ) قرطبی کہتے ہیں کہ تلاوتِ قرآن میں جلدی نہ کریں بلکہ ترتیل و تسہیل کے ساتھ ادا کریں، اور ساتھ ہی اس کے معانی میں تدبّر کریں۔

ترتیل کی پوری تصویر لغت اور تفسیر سے نہیں بنتی، اس مقصد کے لیے صاحبِ قرآنؐ کی ترتیل کو دیکھیے تو بات پوری طرح سمجھ میں آئے گی، تصویر بھی نگاہوں کے سامنے آجائے گی۔

حضرت حذیفہ بن یمانؓ کہتے ہیں: ایک مرتبہ میں رات کی نماز میں حضورؐ کے ساتھ کھڑا ہوگیا۔ میں نے آپؐ کی قرأت کا انداز یہ دیکھا کہ جہاں تسبیح کا موقع آتا وہاں تسبیح فرماتے، جہاں دعا کا موقع آتا وہاں دعا مانگتے، جہاں اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنے کا موقع آتا وہاں پناہ مانگتے۔ (مسلم، نسائی)

حضرت عوفؓ بن مالک کہتے ہیں: ایک رات میں رسول اللہؐ کے ساتھ نماز میں کھڑا ہوا۔ آپؐ نے سورہ البقرہ اس طرح پڑھی کہ آپؐ کسی رحمت کی آیت کو پڑھتے

تو ٹھیر کر مانگتے تھے، عذاب کی آیت پڑھتے تو ٹھیر کر پناہ طلب کرتے۔ (ابوداؤد، نسائی)

حضرت انسؓ سے پوچھا گیا کہ حضورؐ کی قرأت کا طریقہ کیا تھا؟ انہوں نے کہا کہ آپؐ کھینچ کھینچ کر پڑھتے تھے۔ پھر انہوں نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اس طرح پڑھ کر بتایا کہ اللہ کو کھینچا، الرحمٰن کو کھینچا، الرحیم کو کھینچا۔ (بخاری)

حضرت امّ سلمہؓ نے بیان کیا: رسول اللہؐ قرأت میں ایک ایک حصہ الگ پڑھتے تھے۔ الحمد للہ رب العٰلمین پڑھتے اور ٹھہر جاتے، پھر الرحمٰن الرحیم پڑھتے، پھر ٹھہر جاتے۔
(احمد، ابوداؤد، ترمذی)

حضرت ابوذرؓ بیان کرتے ہیں: ایک مرتبہ رسول اللہؐ نے قیام لیل کیا اور صبح تک یہی آیت بار بار پڑھتے رہے: اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ط اگر آپ انہیں عذاب دیں تو یہ آپ ہی کے بندے ہیں، اور اگر آپ ان کو بخش دیں تو آپ کو ہر چیز کا اختیار ہے اور آپ حکیم ہیں۔ (نسائی، ابن ماجہ)

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ: نبیؐ رات کو قرآن پڑھتے تھے تو آواز کبھی بلند ہوتی تھی اور کبھی پست۔ (ابوداؤد)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا: بہت سے لوگ ایسے ہیں جو قرآن پڑھتے ضرور ہیں مگر وہ ان کے گلے سے نیچے نہیں اترتا۔ قرآن دل میں اترتا اور اس میں جم جاتا تو فائدہ بھی دیتا۔

جلال الدین سیوطیؒ لکھتے ہیں: یہ مسنون ہے کہ قرآن کو پڑھتے وقت اس کے معانی سمجھو، اور اس کے مطالب پر غور کرتے جاؤ۔ تلاوتِ قرآن کا مقصد یہی ہے۔ اسی سے دلوں میں نور اور سرور پیدا ہوتا ہے۔

ترتیل کے معنی یہ ہوئے کہ زبان سے جو لفظ نکلے، دل میں اس کے معنی پر غور کرو۔ ہر آیت کا مطلب سمجھو۔ احکام اور ممانعتوں کے بارے میں سوچو کہ ان کو ماننا ہے، اور ماضی میں جو گناہ ہوئے ہوں ان کی عذر خواہی کر کے معافی مانگو، کوئی رحمت کی آیت آئے

تو خوش ہو اور اللہ سے دہ رحمت طلب کرو۔ کوئی عذاب کی آیت آئے تو ڈرو اور اس عذاب سے اللہ کی پناہ مانگو۔ اللہ کی صفات کا ذکر آئے تو اس کی تسبیح کرو۔ دعا کا موقع آئے تو عاجزی کے ساتھ اپنی حاجتیں اللہ سے مانگو۔

ترتیل کی ہدایت کی تعمیل میں، قیام لیل میں، حضورؐ کی تلاوتِ قرآن کی کیفیت یہی تھی۔ ہمارے بس میں کہاں کہ اس معیار پر پہنچ سکیں، ہمیشہ توجہ اور دل سے پڑھ سکیں، لیکن ترتیل کی یہ تصویر نگاہوں کے سامنے رہنا چاہیے۔ اس کی آرزو دل میں ہونا چاہیے، اس کے حصول کی جستجو کرنا چاہیے، اپنی قرأت پر راضی اور فارغ نہ ہونا چاہیے۔

آگے قیام لیل کے حکم کی علت اور مصلحت کا بیان ہے۔

قولِ ثقیل کی ذمہ داری

رات کی نماز میں تلاوتِ قرآن کس لیے ؟

فرمایا :

اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْکَ قَوْلًا ثَقِیْلًا ط

اس لیے کہ ہم آپؐ پر ایک بھاری بات ڈالنے والے ہیں۔

یہ بھاری بات (قولِ ثقیل) کیا ہے ؟

اللہ کا کلام خود قولِ ثقیل ہے۔ ظاہری اعتبار سے بھی اور معنوی اعتبار سے بھی حضورؐ پر وحی نازل ہوتی تو آپؐ بھی اس کا بوجھ محسوس کرتے اور آپؐ کے گردوپیش کی دنیا بھی۔

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں : میں نے سخت سردی کے زمانے حضورؐ پر وحی نازل ہوتے دیکھی ہے۔ آپؐ کی پیشانی سے اس وقت پسینہ ٹپکنے لگتا تھا۔ (بخاری، مسلم)

حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ نے پوچھنے پر بتایا کہ بعض اوقات جب وحی نازل ہوتی ہے تو مجھ پر اتنا بوجھ پڑتا ہے کہ میں سمجھتا ہوں کہ میری جان نکل جائے گی۔ (احمد)

حضرت زید بن ثابتؓ بیان کرتے ہیں: ایک مرتبہ رسول اللہؐ پر وحی اس حالت میں نازل ہوئی کہ آپؐ اپنا زانو میرے زانو پر رکھے ہوئے بیٹھے تھے۔ میرے زانو پر اس وقت ایسا بوجھ پڑا کہ معلوم ہوتا تھا اب ٹوٹ جائے گا۔

حضرت عائشہؓ کا بیان ہے: جب کبھی آپؐ پر اس حالت میں وحی نازل ہوتی تھی کہ آپؐ اونٹنی پر بیٹھے ہوں، تو اونٹنی اپنا سینہ زمین پر ٹیک دیتی تھی اور اس وقت تک حرکت نہ کرسکتی تھی جب تک وحی کا نزول ختم نہ ہوجاتا۔ (احمد، حاکم)

وحی کا اترنا خود تو بوجھ تھا ہی، اس کے تقاضوں کو پورا کرنا اور اس کے احکام کو بجالانا کہیں زیادہ بڑا اور اصل بوجھ تھا۔ قرآن کو بھاری کلام اس وجہ سے کہا گیا ہے کہ اس کے احکام پر عمل کرنا، اس کی تعلیم کا نمونہ بن کر دکھانا، اس کی دعوت کو لے کر ساری دنیا کے مقابلے میں اٹھنا اور اس کے مطابق عقائد و افکار، اخلاق و آداب اور تہذیب و تمدن کے پورے نظام میں انقلاب برپا کردینا ایک ایسا کام ہے جس سے بڑھ کر کسی بھاری کام کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ (سید مودودیؒ، تفہیم القرآن، ج ۶، ص ۱۲۷)

نزول وحی کا سب سے زیادہ بنیادی اور ناگزیر تقاضا، تبلیغ و دعوت عام اور انذار عام کا کام تھا۔ وحی کو محفوظ رکھنے، پھر دوسروں تک پہنچانے میں تکلیفیں اٹھانے کے لحاظ سے بھی یہ سب سے زیادہ بھاری کام تھا۔ اس میں محنت بھی تھی، آزمائش بھی اور ذمہ داری بھی۔ کسی سے منوالینا آپؐ کے اختیار میں نہیں تھا، لیکن دیگر انبیاؑ و رسلؑ کی طرح آپؐ سب تک بہترین طریقے سے اللہ کا پیغام پہنچا دینے کے منصب پر فائز تھے اور اس کے لیے مکلف اور مسؤل بھی۔ آپؐ کا یہ فرض تھا کہ سب کے انکار مسلسل انکار، اور ہر قسم کی مزاحمت و مخالفت کے باوجود اللہ کا پیغام پہنچانے کا اور اتمام حجت کا حق ادا کریں۔ اس سے زیادہ بھاری ذمہ داری کیا ہوسکتی تھی۔ کلام الٰہی

میں اس ذمہ داری کا تذکرہ بھی آپؐ سنتے، تو آپ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے اس کے لیے آپؐ نے جان توڑ محنت کی، دل شکن حالات اور صبر آزما مظالم کے باوجود کی۔ اس کے لیے آپؐ کو ہر قسم کی ایذائیں دی گئیں، اسی کام کی وجہ سے آپؐ کو فکر و پریشانی رہتی تھی، حزن و غم میں مبتلا رہتے تھے۔ مقصد یہ ہے کہ قیامِ لیل کو شاق نہ سمجھنا۔ ہم تو اس سے بھی بھاری بھاری کام تم سے لینے والے ہیں۔

اس بھاری بوجھ کو اٹھانے کی استعداد پیدا کرنے کے لیے قیامِ لیل کا حکم دیا گیا ہے۔

قیامِ لیل اور کارِ رسالت

فرمایا :

اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً ط وَّاَقْوَمُ قِيْلًا ط

بے شک رات کا اٹھنا نفس پر قابو پانے کے لیے بہت کارگر ہے اور قرآن پڑھنے کے لیے بہت موزوں۔

حضرت عائشہ رضؓ نے فرمایا کہ نَاشِئَةَ الَّيْلِ کے معنی رات کو سونے کے بعد نماز کے لیے اٹھنے کے ہیں۔ اس معنی کے لحاظ سے نَاشِئَةَ الَّيْلِ (رات میں اٹھنے) کے لیے تہجّد کا لفظ ہو گیا۔ تہجّد کے لفظی معنی بھی رات کو سو کر اٹھنے کے بعد نماز پڑھنے کے ہیں۔

وَطَاءَ کے معنی روندنے اور کچلنے کے آتے ہیں۔ یعنی نفس کو روندنے اور کچلنے ہیں، اسے قابو میں رکھنے اور ناجائز خواہشات پر اڑنے سے روکنے ہیں، رات کی نماز بڑی کارگر ہوتی ہے۔

اسی مادّہ سے دوسرا لفظ وِطَاءَ ہے۔ اس کے معنی موافقت کے ہیں۔ حضرت

ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رات کے وقت کان اور دل میں زیادہ موافقت ہوتی ہے۔ حضرت ابن زیدؓ کہتے ہیں کہ رات کے وقت اٹھنا دل، نگاہ، زبان، سب میں موافقت پیدا کرنے میں بڑا کارگر ہے۔

مطلب ہے کہ رات کا وقت سکون کا وقت ہوتا ہے۔ اس وقت شور و شغب نہیں ہوتا، توجہ کو کھینچنے والے مناظر ہوتے ہیں نہ آوازیں اور دیگر مشاغل۔ آدمی اپنے دل کی دھڑکن تک سن سکتا ہے۔ اس وقت جو الفاظ تمہاری زبان سے نکلیں گے، اپنے کان بھی اسے سنیں گے اور دل بھی حاضر ہوگا اور تلاوتِ قرآن کا مقصد، یعنی ذکر و نصیحت حاصل ہوگا۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِیْدٌ ط اس میں یاد دہانی، سوچنے اور عبرت کا سامان ہے، اس کے لیے جس کے پاس دلِ بیدار کی دولت ہے، جو کان لگا کر سنے۔ ق ۵۰: ۳۷

اسی لیے دوسری بات ارشاد فرمائی کہ :

وَ اَقْوَمُ قِیْلًا ط اس کے لغوی معنی ہیں کہ رات کو نماز کے لیے اٹھنا، زبان سے نکلنے والے الفاظ کو زیادہ راست اور درست بناتا ہے۔ یعنی اس وقت قرآن کو زیادہ اطمینان و سکون اور توجہ کے ساتھ اور سمجھ کر پڑھ سکتے ہو۔

ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ : "وہ وقت اس کے لیے موزوں ہے کہ آدمی قرآن میں غور و فکر کرے اور اسے سمجھے۔" (ابو داؤد)

گویا رات کو تہجد کی نماز میں دل اور زبان ایک ہو جاتے ہیں۔ قرآن کے جو الفاظ زبان سے نکلتے ہیں، دل سے نکلتے ہیں اور دل میں اتر جاتے ہیں۔ اس انداز میں تلاوتِ قرآن، خود بھی نفس کو زیر کرنے کے لیے، نفس پر قابو پانے کے لیے، نفس کے تزکیہ کے لیے اکسیر کا حکم رکھتی ہے۔

لیکن آپ غور کریں تو رات میں اٹھنا اور نماز پڑھنا، یہ فعل اپنی جگہ پر بھی اس مقصد کے لیے انتہائی کارگر ہے۔ میٹھی میٹھی نیند سے اُٹھ جانا، نرم نرم بستر چھوڑ دینا وضو کر کے اپنے رب کے حضور کھڑے ہو جانا، دیر تک کھڑے رہنا، تنہا جاگنا

اور کھڑے رہنا، ایسے وقت میں جب گرد و پیش سب انسان سو رہے ہوں اور کائنات کی ہر چیز تاریکی میں ملبوس، محوِ خواب نظر آتی ہو — اور روز رات کو یہی عمل دہرانا، اس سے زیادہ کارگر نسخہ نفس کو زیر کرنے کے لیے کیا ہو سکتا ہے۔ یہ عمل ہر رات نفس کو ہر قسم کے مشکل حالات میں، تمام رغبتوں اور خواہشوں کو قربان کر کے، اپنے رب کی پکار پر لبیک کہنے، اس کے حکم کی تعمیل کے لیے کھڑے ہو جانے اور اس کے حکم کی تعمیل میں لگ جانے کی تربیت دیتا ہے۔ ؎

بے اشک سحر گاہی تقویم خودی مشکل

دعوت اور قیام لیل کی مماثلت:

مزید غور کریں گے تو آپ دیکھیں گے کہ رات کے وقت نماز کے لیے اٹھنے اور کھڑے ہونے اور دن میں دعوت و انذار اور جہاد کے لیے اٹھنے اور کھڑے ہونے میں گہری مماثلت ہے۔ دونوں اپنی حقیقت کے اعتبار سے ایک ہی نوعیت کے اعمال ہیں، ایک ہی قسم کا انسان مانگتے ہیں۔ گویا قم اللیل (رات کو کھڑے رہو) اور قم فانذر (کھڑے ہو جاؤ اور آگاہ و خبردار کرو) ایک حکم کے دو پہلو ہیں۔

قیام لیل کا حکم مطالبہ کرتا ہے کہ آپ نیند جیسی میٹھی اور لذیذ اور ہوش و حواس پر چھا جانے والی چیز اور نرم نرم بستر کا آرام چھوڑ کر نماز کے لیے کھڑے ہو جائیں۔ دعوت و جہاد کا کام بھی، رات کی نماز کی طرح، یہ مطالبہ کرتا ہے کہ آپ اپنے رب کی پکار پر لبیک کہیں اور اس کا کام کرنے کے لیے کھڑے ہو جائیں۔ وہ کام ہے: وَجَاهِدُوا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ — اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسا اس کے جہاد کا حق ہے — تاکہ تم تمام انسانوں کے سامنے (حق کی) گواہی دو۔ اس کام کے لیے یہ ضروری ہے کہ آپ دنیوی زندگی میں رغبت اور مشغولیت کو، جو نیند کی طرح مرغوب ہے اور اس کے آرام کو، جو بستر کی طرح محبوب ہے، قربان کر کے دعوت کا کام کریں۔

رات کی نماز کی طرح، دعوت کا کام بھی یہ تقاضا کرتا ہے کہ آپ ایسے وقت میں کھڑے ہوں جب گمراہی کا اندھیرا، رات کی طرح، چھایا ہوا ہو، جب کہیں روشنی نظر نہ آتی ہو۔ ایسے وقت میں بھی کھڑے ہوں جب آپ تنہا یہ کام کرنے والے ہوں، ساتھی اور مددگار نہ ہوں، جب کوئی سن کر نہ دے، رات دن اور ہر طرح پکارنے کے باوجود کوئی نہ جاگے۔ صَلُّوْا وَالنَّاسُ نِیَامٌ نماز پڑھو جب لوگ سو رہے ہوں۔ ایسے وقت بھی کھڑے رہیں جب یہ پتا نہ چلتا ہو کہ قبولیت اور کامیابی کب حاصل ہوگی، نصرت کب آئے گی، فتح کب نصیب ہوگی، گویا صبح کب طلوع ہوگی۔

حضورؐ جب غارِ حرا سے اتر کر تشریف لائے اور قُمْ فَاَنْذِرْ کی تعمیل میں پوری طرح لگ گئے تو آپؐ کی کیفیت بالکل یہی تھی۔ اس لیے ایسے حالات میں آپؐ میں قولِ ثقیل کا بوجھ اٹھانے کی استعداد پیدا کرنے کے لیے، اس بوجھ کو اٹھانے کے لیے قوت، ہمت اور حوصلہ پیدا کرنے کے لیے، اس بوجھ کو اپنے رب کی ہدایات کے مطابق اٹھانے کے لیے، قم اللیل (رات کی نماز) کے نسخہ سے زیادہ کارگر اور موثر نسخہ اور کیا ہو سکتا تھا۔

محبت کا نسخہ :

ایک بات اور ہے، رات کا قیام محبت کے بغیر ممکن نہیں۔ یہ محبت کی علامت بھی ہے، محبت کو پیدا کرنے اور بڑھانے کا کارگر نسخہ بھی۔ آخر آپ میں سے کون محبت کی اِن علامات و کیفیات کا تجربہ نہیں رکھتا یا ان سے ناواقف ہے کہ جب آدمی کو محبت ہو جاتی ہے تو راتوں کی نیند اڑ جاتی ہے، بستر پر تارے گنتے رات گزر جاتی ہے۔ یہی وقت ہے کہ وہ محبوب کی گلی کا رُخ کرتا ہے اس کے گھر کے چکر لگاتا ہے اور اس کے در پر دستک دیتا ہے۔ یہی وقت محبوب سے قربت کی خواہش اور تلاش کا ہے، اس سے راز و نیاز اور سرگوشیوں (مناجات) کا وقت ہے، ہجر و مفارقت میں نالہ نیم شبی اور آہ سحر گہی کا وقت ہے۔

ابوسعید ابوالخیرؒ نے ایک رباعی میں اس بات کو کیا خوب ادا کیا ہے۔ ؎

شب خیز کہ عاشقاں بہ شب راز کنند
گرد در و بام دوست پرواز کنند
ہر جا کہ درے بود بہ شب در بندند
الّا در دوست را کہ بہ شب باز کنند

رات کو اٹھو کہ عاشق رات ہی کو راز و نیاز کرتے ہیں۔
(رات ہی کو) دوست کے در و بام کے گرد چکّر لگاتے ہیں، ہر جگہ جہاں دروازہ ہوتا ہے، رات کو بند کر دیتے ہیں، سوائے درِ دوست کے، کہ وہ اسے رات کو کھولتے ہیں۔

اللہ سے محبت ہو جاتی ہے تو اس کا خوف ساتھ ساتھ آتا ہے۔ محبّت بڑھتی ہے تو خوف بھی بڑھتا ہے۔ محبّت کا حق ادا کرنے میں کسی کوتاہی کا خوف، محبوب کی ناراضی کا خوف، محبوب کی توجّہ سے محروم ہو جانے کا خوف، اس کے نگاہ پھیر لینے کا خوف، (وَلَا يَنظُرُ إِلَيْهِمْ) اس کے بات نہ کرنے کا خوف (وَلَا يُكَلِّمُهُمْ) خوف، محبّت کے ساتھ مل کر ایمان کے نشہ کو دو آتشہ کر دیتا ہے۔ اسی لیے رات کا قیام، محبّت و اُمید اور طمع اور خوف سے عبارت ہے اور دنیا میں محبوب کی محبّت میں اپنے نفس و مال کو خرچ کرنا اور لٹانا رات کے قیام کی تفسیر ہے۔

اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّ قَآئِمًا يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَ يَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ ط

(کیا اس شخص کی روش بہتر ہے) یا اس شخص کی جو مطیعِ فرمان ہے، رات کی گھڑیوں میں کھڑا رہتا ہے اور سجدے کرتا ہے، آخرت سے ڈرتا اور اپنے رب کی رحمت سے اُمید لگاتا ہے؟

تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّ طَمَعًا وَّ

مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ط

ان کے پہلو بستروں سے دور رہتے ہیں، وہ ڈر اور لالچ کے ساتھ اپنے رب کو پکارتے ہیں اور جو کچھ ہم نے دیا ہے اس کو خرچ کرتے ہیں۔

ایمان کی حقیقت حاصل ہو اور محبت نہ ہو، یہ مشکل ہے۔ "جو ایمان رکھتے ہیں وہ سب سے بڑھ کر اللہ سے محبت کرتے ہیں۔" (البقرہ : ۱۶۵)۔ محبت کے بغیر ایمان ایک زبانی دعویٰ ہے، ایک ظاہری لباس ہے، ایک قانونی امر ہے۔ اللہ سب سے بڑھ کر محبوب ہو جائے اور اس محبت کے لازمی تقاضے کے طور پر، اس کا رسولؐ بھی، اس کا دین بھی، اس کی راہ میں جہاد بھی، اس کی راہ میں جہاد کرنے والے بھی ——— تو ایمان کا مزہ (طَعْمُ الْاِيْمَانِ) اور ایمان کی شیرینی (حَلَاوَةُ الْاِيْمَانِ) رگ و پے میں رچ بس جاتی ہے اور ایمان اس طرح دل اور روح کا ذائقہ بن جاتا ہے، جیسے زبان کے لیے مٹھاس۔ پھر ایمان کے سارے تقاضوں کی تکمیل کے لیے صدا دل کے اندر سے اُٹھتی ہے، تقاضا روح کے اندر سے پیدا ہوتا ہے، بیرونی تحریک اور دباؤ کی ضرورت کم سے کم رہ جاتی ہے۔ یہ محبت راتوں کو محبوب سے قرب اور کلام و مناجات کے لیے بستر سے کھڑا کر دیتی ہے اور محبوب سے کلام و مناجات سے یہ محبت بڑھتی جاتی ہے۔ آیاتِ قرآنی کی تلاوت دلوں میں وہ کام کرتی ہے جو ابرِ رحمت کے قطرے کھیتوں میں۔ یہی محبت دن میں خلقِ خدا کو اللہ کی طرف بلانے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے کے لیے بھی کھڑا کر دیتی ہے

قیامِ لیل سے اللہ کی محبت میں رنگ آتا ہے اور گہرائی و گیرائی پیدا ہوتی ہے۔ اس کی محبت ہی کے بل پر قولِ ثقیل کا بوجھ ایک سامانِ لذت و نشاط بن جاتا ہے۔ دعوت و جہاد کی راہ میں ہر قدم، ہر چوٹ اور ہر نقصان ایک نئی تازگی بخشتا ہے۔ جنگ کی آواز صدائے سرود سے زیادہ مستانی اور سہانی معلوم ہوتی ہے۔ جان دینے میں اتنی لذت ملتی ہے کہ بار بار زندہ ہونے اور جان دینے کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔ ہر امتحان ایک نیا یقین بخشتا ہے اور فتح و شکست سب برابر نظر آتے ہیں۔

رات کا سائل :

رات میں نماز کے لیے اٹھنا، اللہ کو یاد کرنے، اس کے کلام کو سمجھنے، نفس کی خواہشوں پر غلبہ پانے اور محبت کی راہیں بھی کھولتا ہے، رات کا وقت سائل کے لیے مانگنے کا بھی بہترین وقت ہے۔ خصوصاً آخرِ شب میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے قریب ہوتا ہے۔ اپنی خاص رحمتیں نازل کرتا ہے اور ان کے لیے اپنے دروازے کھول دیتا ہے جو اس وقت اس کے در پر سائل بن کر حاضر ہوتے ہیں۔

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا :

جب ایک تہائی رات باقی رہ جاتی ہے تو ہمارا رب تبارک وتعالیٰ دنیا کے آسمان پر اترتا ہے اور فرماتا ہے: "کوئی ہے جو مجھے پکارے، میں اس کی پکار سنوں، کوئی ہے جو مجھ سے مانگے، میں اسے دوں، کوئی ہے جو مجھ سے مغفرت چاہے، میں اسے بخش دوں۔" (بخاری، مسلم)

مسلم کی روایت میں یہ بھی ہے :

پھر وہ اپنا ہاتھ پھیلاتا ہے اور فجر تک کہتا رہتا ہے: کون ہے جو ایسی ذات کو قرض دے جو مفلس و قلاش ہے نہ ظالم۔"

حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہؐ کو یہ فرماتے سنا ہے :

"ہر رات میں ایک وقت ہوتا ہے کہ مسلمان اس میں دین و دنیا کی جو بھلائی بھی مانگے، اللہ اس کو عطا کر دیتا ہے اور یہ لمحہ ہر رات آتا ہے۔ (مسلم)

حضرت عمرو بن عبسہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا :

"رات کے آخری حصہ میں رب اپنے بندہ سے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ اگر تم اس وقت اللہ کا ذکر کر سکو تو ضرور کرو۔ (ترمذی)

حضور نبی کریمؐ کا قیام لیل :

قم اللیل کے حکم نے حضورؐ اور آپؐ کے ساتھیوں پر رات کی نماز فرض کر دی۔ ظاہر ہے کہ اس فرض کا نباہنا سب کے بس میں نہ تھا، خصوصاً ان کے لیے جو مریض ہوں، سفر

کر رہے ہوں، تلاشِ معاش میں مشغول رہتے ہوں، راہِ خدا میں لڑ رہے ہوں۔ چناں چہ کچھ مدت کے بعد ـــــ غالباً معراج کے وقت، بعض روایات کے مطابق ایک سال ہی بعد ـــــ اللہ تعالےٰ نے قیامِ لیل کی فرضیت کی جگہ اقامتِ صلوٰۃ کا حکم دیا۔

بعض کے نزدیک نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر رات کی نماز آخر عمر تک فرض تھی، بعض کا خیال ہے کہ آخر عمر میں یہ نماز آپؐ پر فرض نہ رہی تھی، آپؐ بطورِ نفل اس کی پابندی فرماتے رہے تھے۔ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ط (بنی اسرائیل)

بہ ہر حال حضورؐ پوری عمر اس ہدایت کی تعمیل میں تہجّد کی نماز پڑھتے رہے۔ آخر عمر میں بھی بعض دفعہ آپؐ رات کو اتنا طویل قیام فرماتے کہ پیروں پر ورم آجاتا۔ حضرت مغیرہؓ بیان کرتے ہیں کہ صحابہؓ نے کہا: "آپؐ ایسا کیوں کرتے ہیں جب کہ آپؐ کے اگلے پچھلے سارے گناہ بخش دیے گئے ہیں۔" آپؐ نے فرمایا: "کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں۔"

مختلف روایات جمع کرنے سے آپؐ کے قیامِ لیل کے اسوہ کی تصویر نگاہوں کے سامنے آتی ہے۔

آپؐ بیدار ہوتے، تو آسمان کی طرف دیکھتے، اور سورۂ آلِ عمران میں سے اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ آخر سورہ (لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ) تک پڑھتے۔ (بخاری عن ابن عباسؓ)

کبھی آپؐ نے لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ تک بھی تلاوت فرمائی ہے۔ (نسائی عن حمیدؒ)

آپؐ کا یہ فرمانا بھی نقل کیا گیا ہے: جو بیدار ہو کر یہ پڑھے:

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، وَاللّٰهُ اَكْبَرُ، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ

پھر کہے رَبِّ اغْفِرْ لِیْ، یا کوئی اور دعا مانگے، تو اس کی دعا قبول کر لی جائے گی۔ پھر وضو کر کے نماز پڑھے تو اس کی نماز قبول کر لی جاتی ہے (بخاری عن عبادہؓ بن صامتؓ)

اس کے بعد آپؐ مسواک کرتے، وضو فرماتے اور نماز کے لیے کھڑے ہو جاتے۔
اس وقت آپؐ یہ دعا مانگتے:

اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ اَنْتَ قَيِّمُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِيْهِنَّ وَلَكَ الْحَمْدُ اَنْتَ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِيْهِنَّ۔ وَلَكَ الْحَمْدُ اَنْتَ مَلِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِيْهِنَّ، وَلَكَ الْحَمْدُ اَنْتَ الْحَقُّ، وَوَعْدُكَ الْحَقُّ، وَلِقَاءُكَ حَقٌّ، وَقَوْلُكَ الْحَقُّ، وَالْجَنَّةُ حَقٌّ، وَالنَّارُ حَقٌّ، وَالنَّبِيُّوْنَ حَقٌّ، وَمُحَمَّدٌ حَقٌّ وَالسَّاعَةُ حَقٌّ، اَللّٰهُمَّ لَكَ اَسْلَمْتُ، وَبِكَ اٰمَنْتُ، وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ، وَاِلَيْكَ اَنَبْتُ، وَبِكَ خَاصَمْتُ، وَاِلَيْكَ حَاكَمْتُ، فَاغْفِرْلِيْ مَا قَدَّمْتُ وَمَا اَخَّرْتُ، وَمَا اَسْرَرْتُ وَمَا اَعْلَنْتُ، وَمَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنِّيْ۔ اَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَاَنْتَ الْمُؤَخِّرُ، اَنْتَ اِلٰهِيْ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ۔

میرے اللہ، تیرے ہی لیے ساری تعریف اور شکر کہ تو ہی قائم رکھنے والا ہے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان میں ہے اور تیرے ہی لیے ساری تعریف اور شکر کہ تو ہی نور ہے آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان میں ہے اور تیرے ہی لیے ساری تعریف اور شکر کہ تو ہی بادشاہ ہے آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان میں ہے۔

تیرے ہی لیے ساری تعریف اور شکر ہے کہ تو حق ہے اور تیرا وعدہ سچا ہے اور تجھ سے ملاقات برحق ہے اور تیری ہر بات حق ہے اور جنت حق ہے اور آگ حق ہے۔ اور سارے نبی سچے ہیں اور محمدؐ سچے ہیں اور قیامت برحق ہے۔

میرے اللہ! میں تیرا تابع ہو گیا ہوں، تیرے اوپر ایمان لایا ہوں، تیرے سپرد اپنا ہر معاملہ کر دیا ہے، تیری طرف پلٹتا ہوں اور تیری ہی مدد سے لڑتا ہوں اور تجھ ہی سے فیصلہ چاہتا ہوں۔

پس میرے ان گناہوں کو بخش دے جو میں نے کیے ہیں اور جو میں کروں گا

جو میں نے چھپا کر کیے اور علانیہ کیے اور جو تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے۔ تو ہی آگے بڑھانے والا ہے اور تو ہی پیچھے کرنے والا ہے۔ (بخاری عن ابن عباسؓ)

آپؐ کبھی سات رکعت پڑھتے، کبھی نو، اور کبھی گیارہ۔ پہلی دو رکعت ہلکی پڑھتے (بخاری، مسلم عن عائشہؓ)

آپؐ نے اٹھنے کے بعد پہلی دو رکعت ہلکی پڑھنے کی ہدایت بھی فرمائی۔ (مسلم عن ابی ہریرہؓ)

آپؐ کبھی نو رکعت اس طرح پڑھتے کہ صرف آٹھویں رکعت پر تشہد کے لیے بیٹھتے (مسلم عن عائشہؓ)

کبھی آپؐ دو دو رکعت کر کے پڑھتے۔ کبھی آپؐ دو رکعت پڑھ کر سو جاتے۔ یہاں تک کہ خراٹے لینے لگتے اور اتنی ہی دیر سوتے جتنی دیر نماز پڑھتے۔ پھر اٹھ کر دو رکعت پڑھتے، پھر سو جاتے، پھر اُٹھ کر دو رکعت پڑھتے، پھر تین رکعت وتر کی پڑھتے۔ (مسلم عن عبداللہ بن عباسؓ نسائی عن حمیدؓ وام سلمہؓ)

آپؐ کبھی ہلکی رکعت پڑھتے، کبھی طویل قرأت کرتے۔ ایک مرتبہ آپؐ نے چار رکعت میں بقرہ، آل عمران، نساء اور مائدہ یا انعام کی سورتیں پڑھیں (ابوداؤد عن حذیفہؓ)
کبھی آپؐ کا رکوع بھی قیام کے برابر ہوتا، قومہ بھی، سجدے بھی، دونوں سجدوں کے درمیان جلسہ بھی۔

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ جب آپؐ کی عمر زیادہ ہو گئی اور وزن بڑھ گیا تو آپؐ سات رکعت پڑھ لیتے۔ جب کبھی نیند یا جسم میں درد کی وجہ سے آپؐ رات کو قیام نہ کر سکتے تو دن میں بارہ رکعت پڑھ لیتے۔ مجھے یہ یاد نہیں کہ نبیؐ نے کبھی ایک رات میں پورا قرآن پڑھا ہو یا عشاء سے صبح تک نماز پڑھی ہو۔ (مسلم)

حضورؐ کو قیامِ لیل کا حکم اس جہادِ عظیم کی تیاری کے لیے دیا گیا تھا، جس سے آگے آپؐ کو اور آپؐ کے صحابہؓ کو اقامتِ دین کی راہ میں سابقہ پیش آنے والا تھا۔ اقامتِ دین کی جدوجہد کی یہی وہ امتیازی خصوصیت ہے جو اسے دوسری تحریکات سے ممتاز کرتی

ہے۔ اس کے لیے دوسرے وسائل و ذرائع کے فراہم ہونے سے پہلے، صحیح معرفت رب۔ مستحکم ایمان، غیر متزلزل صبر اور اپنے رب پر کامل اعتماد و توکّل ضروری ہے۔ ان اوصاف کے حصول کا واحد ذریعہ نماز، بالخصوص شب کی نماز ہے۔ بشرطیکہ اس طرح ادا کی جائے جس طرح اس کے ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اس کا رشتہ اقامتِ دین کی جدوجہد سے کاٹ نہ دیا جائے، جس کی وہ بنیاد ہے اور جس کی تقویت اور کامیابی کی خاطر اس کی ہدایت کی گئی ہے۔

اسی لیے نبی کریمؐ نے رات کی نماز کے واجب نہ رہنے کے بعد بھی اس کی ترغیب دی، اس کی تاکید کی، ساتھیوں کو بھی اور گھر والوں کو بھی۔

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہؐ کو یہ فرماتے سنا:

فرض نماز کے بعد سب سے افضل رات کی نماز ہے۔ (احمد)

حضرت ابو امامہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا:

تم اپنے آپ پر رات کی نماز لازم کر لو۔ یہ تم سے پہلے صالحین کا طریقہ رہا ہے۔ یہ تمہیں اپنے رب سے قریب کرتی ہے۔ یہ برائیوں کا کفّارہ ہے اور گناہ سے روکنے والی ہے۔ (ترمذی)

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: اللہ اس شخص پر رحمت نازل کرے جو رات کو اٹھا، پھر نماز پڑھی اور اپنی بیوی کو جگایا اور اس نے بھی نماز پڑھی اور اگر بیوی نہ جاگی تو اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے۔ اور اللہ رحمت نازل کرے اس عورت پر جو رات کو اٹھی اور نماز پڑھی، پھر اپنے شوہر کو جگایا اور اس نے بھی نماز پڑھی۔ اور اگر وہ نہ اٹھا تو اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے (ابوداؤد نسائی)

حضرت ام سلمہؓ کہتی ہیں کہ ایک رات رسول اللہؐ گھبرائے ہوئے اٹھے، اور فرمایا: سبحان اللہ، رات میں کس قدر خزانے اور کس قدر فتنے اتارے گئے! کون ہے جو حجرہ والیوں کو جگائے۔ آپؐ کی مراد اپنی بیویوں سے تھی تاکہ وہ نماز پڑھیں۔

بہت سی عورتیں دنیا میں کپڑے پہننے والیاں ہوں گی مگر آخرت میں برہنہ ہوں گی۔ (بخاری)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ ان کے والد حضرت عمر بن الخطابؓ رات کو نماز پڑھتے تھے جس قدر اللہ توفیق دیتا تھا جب رات کا آخری حصہ ہوتا تو آپؓ اپنے گھر والوں کو نماز کے لیے جگاتے اور کہتے:

اٹھو اور نماز پڑھو۔ پھر یہ آیت پڑھتے: وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا اپنے اہل کو نماز کا حکم دو اور خود بھی اس پر قائم رہو۔ (طٰہٰ ۲۰: ۳۲)

عملی نسخہ:

رات کی نماز کبھی بھی آسان نہ تھی، لیکن آج یہ کچھ زیادہ ہی مشکل ہو گئی ہے۔ کیوں کہ آج تو زندگی کی مشغولیات بہت بڑھ گئی ہیں۔ فکرِ معاش ہی دم نہیں لینے دیتی۔ ضرورتوں اور خواہشوں میں اضافہ ہوا تو ہر ضرورت اور ہر خواہش، توجہ، وقت اور محنت کی طلب گار ہے۔ لیکن اگر آپ کے دل میں رات کی گھڑیوں میں اپنے رب کے سامنے قیام کی تمنا ہو، تو اس کام کو کرنے کے آسان طریقے بھی ہیں۔ ایسے طریقے جن سے آپ ابتدا کر سکتے ہیں اور آپ کے لیے اولیٰ اور افضل مقام تک پہنچنے کا راستہ بھی کھل سکتا ہے۔

اگر آخر رات میں اُٹھ کر نماز پڑھنا مشکل ہو، تو پھر سونے سے پہلے ہی ۸ رکعت پڑھ لیں۔ اگر سونے سے پہلے نماز کے لیے وضو کرنا اور کھڑا ہونا بھی دشوار ہو، تو عشا کی نماز کے ساتھ پڑھ لیں۔ آپ دیکھ چکے ہیں کہ نبی کریمؐ سے رات کے ابتدائی حصے میں، بلکہ ہر حصے میں پڑھنا ثابت ہے۔ اگر آپ ارادہ کر کے ایک دفعہ شروع رات میں پڑھنے لگیں گے، تو ان شاء اللہ بیچ رات یا آخر رات میں پڑھنا بھی نصیب ہو سکتا ہے۔

رات کی نماز کے لیے بھی یہ ضروری نہیں کہ آپ لازماً طویل قرأت ہی کریں۔ آخری دس سورتیں ہی ہر رات نماز میں پڑھ لیں یا آخر کی اور چھوٹی سورتیں، تو یہ بھی کافی ہے۔ سورۂ اخلاص ایک تہائی قرآن کے برابر ہے، سورۂ کافرون ایک چوتھائی کے، سورۂ نصر ایک چوتھائی کے، سورۂ زلزال نصف کے اور سورۂ تکاثر ایک ہزار آیات کے۔

(أَوْ كَمَا قَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) چھوٹی سورتیں اپنے حجم کے لحاظ سے چھوٹی ہوں، اپنے مضامین اور اجر کے لحاظ سے بڑی سورتوں سے کسی طرح کم نہیں۔ نبی کریمؐ سے یہ بھی روایت کیا گیا ہے کہ جس نے قیام میں دس آیات تلاوت کیں اس کا نام غافلوں میں نہیں لکھا جائے گا۔ اور جس نے ایک سو آیات کی تلاوت کی اس کا شمار قانتین میں ہوگا۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ فرمایا کرتے تھے کہ میں اذا زلزلت اور القارعہ ٹھہر ٹھہر کر اور سمجھ کر پڑھوں، تو یہ اس سے بہتر سمجھتا ہوں کہ البقرہ اور آل عمران کو جلدی جلدی بغیر سمجھے پڑھ دوں۔

اجرِ عظیم:

قیام لیل کا اجر کتنا عظیم ہے! ذرا خود قرآن سے سنیے اور یاد رکھیے۔

جن کے جسم بستروں سے دور رہتے ہیں، ان کے بارے میں فرمایا:

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُمْ مِنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ ۚ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ط (السجدہ ۳۲ : ۱۷)

پھر جیسا کچھ آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان ان کے اعمال کی جزا میں ان کے لیے چھپا کر رکھا گیا ہے، اس کی کسی نفس کو خبر نہیں ہے۔

جو رات کو کم سوتے ہیں، اور سحر کے وقت استغفار کرتے ہیں، ان کے بارے میں فرمایا:

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ۔ آخِذِينَ مَا آتَاهُمْ رَبُّهُمْ إِنَّهُمْ كَانُوا قَبْلَ ذَالِكَ مُحْسِنِينَ ط (الذاریات ۵۱ : ۱۵-۱۶)

متقی لوگ اس روز باغوں اور چشموں میں ہوں گے۔ جو کچھ ان کا رب انہیں دے گا، اسے خوشی خوشی لے رہے ہوں گے۔ وہ اس سے پہلے نیکو کار تھے۔

راتیں سجود و قیام اور تلاوت میں گزارنے والوں کو عباد الرحمان قرار دیا گیا ہے۔ (الفرقان)، اہلِ علم اور اولو الالباب (عقل سے لبریز) کہا گیا ہے۔ (الزمر)

دعوت اِلی اللہ

آگے فرمایا :

اِنَّ لَكَ فِی النَّهَارِ سَبْحًا طَوِیْلًا ط

بے شک تمہارے لیے دن میں طویل شغل ہے۔

یہ طویل شغل کیا ہے؟ سبح کے معنی جاری ہونے اور گھومنے پھرنے کے ہیں۔ پانی میں تیرنے کے لیے بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے چاند، سورج اور سیّارے فضا میں اپنے اپنے مدار پر تیزی کے ساتھ اور مسلسل گھومنے میں جس طرح مشغول رہتے ہیں۔ اس کے لیے بھی قرآن نے یہ لفظ استعمال کیا ہے۔ وَكُلٌّ فِی فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ یہیں سے لفظِ تسبیح، یادِ الٰہی میں مشغولیت کے معنوں میں استعمال ہو گیا۔ زندگی کی ساری عام مشغولیتیں اس میں شامل ہیں۔ دن بنایا ہی اس لیے گیا ہے، وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ط یہ مشغولیتیں دن بھر دم لینے کی مہلت نہیں دیتیں، اس لیے عام طور پر اس آیت کے معنی یہی لیے گئے ہیں کہ دن بھر کے یہ مشاغل بہت ہیں، اپنی معاش کے لیے چلنا پھرنا اور کام کرنا ہوتا ہے، فراغت اور توجّہ سے اپنے رب کی عبادت کے لیے وقت مشکل ہی سے ملتا ہے، اس لیے رات کی چند گھڑیوں کو عبادت کے لیے فارغ کرو۔

لیکن ایک امرِ واقعہ کا بیان وجہ اور سبب کے طور پر بھی ہو سکتا ہے، نتیجے کے طور پر بھی اور ہدایت کے طور پر بھی۔ رات کے وقت اس لیے قیام و نماز کا حکم نہیں دیا گیا کہ دن کو وقت نہیں ملتا، بلکہ رات کا وقت اور رات کا اٹھنا اپنی جگہ ایسی خصوصیات کا حامل ہے کہ قیام اور مقاصدِ قیام کے لیے یہی وقت موزوں ہے۔ اندازِ کلام یہ بتاتا ہے کہ امرِ واقعہ کا یہ بیان، ہدایت کے لیے ہے۔

اس پہلو سے سبح کا لفظ ذکر، تسبیح اور دعوت الی اللہ کے معنوں میں ہے۔ قرآن میں یہ لفظ زندگی کے عام مشغولیات کے لیے کہیں بھی استعمال نہیں ہوا ہے۔ جہاں بھی ہوا ہے ذکر اور دعوت الی اللہ کے معنوں میں ہوا ہے، حضرت موسیٰ، فرعون کے دربار کی طرف دعوتِ حق کے لیے روانہ ہوتے ہیں، شرح صدر اور سہولت کلام اور حضرت ہارونؑ کے ذریعہ تقویت کی دعا کرتے ہیں اور مقصد یہ بتاتے ہیں کہ کَیْ نُسَبِّحَكَ كَثِيْرًا وَّ نَذْكُرَكَ كَثِيْرًا (تاکہ) ہم کثرت سے آپ کی تسبیح اور ذکر کریں۔ (طٰہٰ ۲۰: ۳۳-۳۴)

قیامِ لیل اور دعوت الی اللہ کے کام میں جو گہری مماثلت اور معنی خیز تعلق ہے، وہ آپ دیکھ چکے ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ رات میں قیام اور تلاوت قرآن سے باطنی قوتوں کے جو خزانے حاصل کرو، ان کے ذریعہ دن بھر پیغامِ قرآن کی دولت و نعمت تقسیم کرنے میں مشغول رہو کہ یہی قیام و تلاوت کا مقصود ہے۔

وہی بات جو الم نشرح میں کہی گئی ہے، یہاں ترتیب بدل کر کہہ دی گئی ہے۔ وہاں کہا گیا تھا کہ ہم نے تمہارا وہ بوجھ اتار دیا جو تمہاری کمر توڑے جا رہا تھا۔ قبل نبوت تلاش ہدایت کی فکرمندی کا بوجھ، بعد از نبوت تبلیغ ہدایت کا بوجھ۔ تنگی اور مشکل کے بعد کشادگی اور آسانی کا شکریہ ہے کہ جب مہم رسالت سے فارغ ہو تو محنت کے لیے کمر کس لو، اور اپنے رب سے لو لگاؤ۔

یہاں ترتیب بدلنے سے معانی کا یہ پہلو کھل جاتا ہے کہ دونوں کا تعلق آپس میں لازم و ملزوم کا ہے۔ دونوں ایک دوسرے کی افزائش اور تقویت کا باعث ہیں۔ رات میں قیام اور اپنے رب سے لو لگانے سے وہ قوت اور طاقت حاصل ہوتی ہے، جس سے دن کا بوجھ ہلکا اور کام آسان ہوتا ہے۔ اور دن کے کام سے وہ ضرورت اور پیاس پیدا ہوتی ہے جو رات کو کمر بستہ کھڑے ہو جانے کی قوت بخشتی ہے۔ اور یہ کام اس قیامِ لیل کو وہ رنگ اور گہرائی دیتا ہے کہ یہ نری رہبانیت نہیں، خود جہاد بن جاتا ہے، جہاد کا پیش خیمہ بن جاتا ہے، جہاد کا ساتھی بن جاتا ہے۔ "رات کے راہب، دن کے گھڑ سوار" ہی فاتح عالم بنتے ہیں۔ اور یہیں سے ایک جہانِ تازہ کا آغاز ہوتا ہے۔

ذکر و اخلاص

اب، فرمایا :

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا ط

اور اپنے رب کا نام یاد کرو (اور یاد رکھو) اور سب سے کٹ کر، اسی کے ہو رہو
تلاوتِ قرآن کے لیے قیام لیل اور تبلیغِ قرآن کے لیے دعوت کی ہدایت کے بعد، ان دونوں کاموں کو صحیح طور پر بجالانے کے لیے اور ان سے صحیح فائدہ حاصل کرنے کے لیے اور پوری زندگی کے تزکیہ اور اسے صحیح راہ پر قائم رکھنے کے لیے، دو بنیادی ہدایتیں دی جارہی ہیں :

ایک ذکر، یعنی ہمیشہ اور ہر طرح اللہ کو یاد کرو اور یاد رکھو۔

اور دوسرے اخلاص، یعنی جو کرو صرف اللہ کے لیے کرو، کسی اور کے لیے نہ کرو اور ساری زندگی صرف اسی کی بندگی میں گزارو، اس کی نذر کردو، کسی اور کا حصہ نہ لگاؤ۔

ان دونوں کا باہم بڑا گہرا تعلق ہے۔ اللہ کے ذکر سے اخلاص پیدا ہوتا ہے، مضبوط ہوتا ہے، قائم رہتا ہے، ہر کام میں صرف اللہ کی رضا پر نگاہ رکھنا اور صرف اس کے لیے کرنا، ہر دم اور ہر حالت میں اللہ کے ذکر کا سب سے اعلیٰ طریقہ ہے۔

اللہ کو کثرت سے یاد کرو، صبح و شام یاد کرو، اٹھتے، بیٹھتے، لیٹتے یاد کرو، تنہائی میں لوگوں کے درمیان یاد کرو۔ دل میں یاد کرو اور زبان سے یاد کرو، آہستہ اور بلند آواز سے یاد کرو، کاروبارِ زندگی کرتے ہوئے یاد کرو، میدانِ جنگ میں یاد کرو۔ قرآن میں مختلف مقامات پر تفصیل سے یہ ہدایات دی گئی ہیں۔ یہاں اتنی تفصیل سے بیان نہیں،

صرف ذکر کرنے کی ہدایت ہے۔ لیکن مراد ذکر کی کثرت اور ذکر کی ہمیشگی ہے۔ اجمال وابہام سے ذہن علم کی جستجو میں لگ جاتا ہے۔ جستجو سے حاصل کردہ علم ہی راسخ ہوتا ہے۔

حافظہ، ذہن کی سوچ، دل کے خیال ــــ یہی وہ چیزیں ہیں جو زندگی میں ہر عمل کی بنیاد ہیں۔ اس لیے جتنا یہ اللہ کی یاد پر مرکوز رہیں، اللہ کی یاد سے بندھے رہیں، اللہ کی یاد سے بھرے رہیں، اتنا ہی دل زندہ رہے گا، صحیح رہے گا۔ اور جتنا دل زندہ رہے گا، اتنا ہی زندگی طیّب و پاکیزہ رہے گی اور درست رہے گی۔

ذکر نہ صرف زندگی کا سامان ہے، بلکہ تمام شیطانی وساوس سے بچنے کے لیے سب سے محفوظ پناہ گاہ ہے۔ یہی نسخہ ہے تزکیہ کا، اسی مقصد کے لیے تمام عبادات فرض کی گئی ہیں۔ قرآن خود ذکر ہے، تذکیر و ذکر کے لیے نازل ہوا ہے۔ یہی راز ہے قرآن میں ذکر کی اتنی اہمیت کے ساتھ تاکید کا۔ ذکر، تزکیہ کا نسخہ اس لیے ہے کہ ہر بگاڑ، وسوسہ سے، دل کے خیالات اور ارادوں سے پیدا ہوتا ہے۔ یہ وسوسہ شیطان ڈالے، انسان ڈالیں یا آدمی خود ڈالے، خیال یا وسوسہ ڈالنے کے علاوہ کسی کو آدمی پر کوئی اختیار نہیں۔ جب دل اللہ کی یاد سے بھرا ہوا ہو، اسی میں مشغول ہو، تو وسوسے اس طرح بھاگ جاتے ہیں جس طرح روشنی سے اندھیرے۔

ذکر کے مکمل معنی ہیں کہ آپ زبان سے وہ کہیں، دل و دماغ میں وہ خیال رکھیں، ہاتھ پاؤں اور اعضاء و جوارح سے وہ کام کریں جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں۔ انہیں معنوں میں ممکن ہے کہ آپ ہمہ دم ذکر کرسکیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ کَانَ یَذْکُرُ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ حِیْنٍ رسول اللہ ہر وقت اللہ کا ذکر کرتے تھے۔ یہ ذکر کرنا انھیں معنوں میں ہے۔

فرمایا ہے کہ "اپنے رب کے نام کا ذکر کرو۔ پہلی وحی بھی یہ تھی کہ " اپنے رب کے نام" سے پڑھو اور سناؤ۔ یہاں یہ بحث غیر ضروری ہے کہ کیا اس سے اسم ذات، یعنی اللہ، اللہ کی تکرار کا جواز ثابت ہوتا ہے، یا اس کے مطلوب ہونے کا اشارہ نکلتا ہے۔ اللہ کی ذات کے بارے میں کوئی تصوّر بھی، مخلوق انسانی کے محدود ذہن کے لیے کرنا ممکن ہے نہ جائز۔ اس کی صفات کا بھی بالکل صحیح اور مکمل تصور ہمارے بس میں

نہیں، ہاں اس نے ہماری زبان میں، جو ہمارے محدود علم اور تجربات ہی پر مشتمل ہے ہم سے کلام کیا ہے، اور ہمیں اپنی صفات کی معرفت بخشی ہے۔ اس کی ذات کا نام زبان پر آئے گا تو بھی اس لفظ کے ذریعے اس کی وہ صفات ہی ہمارے ذہن میں آئیں گی جو اس نے ہمیں تعلیم کی ہیں۔ "اسم" کا لفظ عربی زبان میں صفت اور معرفت کے لیے آتا ہے۔ بلکہ ہر زبان میں، کسی بھی چیز کا نام لینے سے، اس کی صفات ہی ذہن میں آتی ہیں۔ اللّٰہ تعالیٰ نے اپنی صفات بیان کر کے ہی فرمایا ہے: وَلَہُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی سارے اسماءِ حسنیٰ اس کے ہیں (الحشر: ۲۴) اسم ذات اور اسماء صفات کو یکساں قرار دیا ہے: قُلِ ادْعُوا اللّٰہَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ، اَیًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَہُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی ط کہو! اللّٰہ کو پکارو یا رحمٰن کو جس طرح بھی پکارو اسماءِ حسنیٰ اس کے ہیں۔ (اسرا ۱۷: ۱۱۰)

چناں چہ "رب کے نام" کو یاد کرو اور یاد رکھو کے معنی یہ ہیں اس کی صفات کو یاد کرو اور یاد رکھو۔ یہی اسماءِ حسنیٰ ہیں۔ ان صفات کا صحیح علم ہو، ان کی معرفت ہو، ان پر یقین ہو، یہ دل و دماغ میں تازہ رہیں، زبان پر ان کا ذکر رہے، تو "آدمی کی پشت پر ایک لشکرِ گراں اس کے محافظ کی حیثیت سے موجود رہتا ہے۔ شیطان کی ساری فوجیں اس لشکر کے سامنے پرکاہ کے برابر بھی وقعت نہیں رکھتیں۔ وہ اپنے آپ کو پہاڑوں سے بھی زیادہ مستحکم محسوس کرتا ہے۔"

اس کا علم، اس کی معرفت، اس پر یقین کیا ہے؟

کائنات میں ہر چیز صرف اللّٰہ تعالیٰ نے پیدا کی ہے، ہر چیز کو اسی نے زندگی بخشی ہے، ہر چیز اسی کے قائم رکھنے سے قائم اور موجود ہے۔

ہر قسم کا اختیار صرف اسی کے پاس ہے، اس کے سوا کسی کو کوئی اختیار حاصل نہیں، جو کچھ ہوتا ہے، جو نہیں ہوتا، یہ سب اس کی مشیت، ارادہ اور حکم پر منحصر ہے۔ پتا بھی گرتا ہے تو اس کے حکم سے اور گرنا اس کے علم میں ہوتا ہے۔ جو رزق بھی ملتا ہے وہی دیتا ہے۔

وہ ہر وقت ساتھ ہے، ہم اس کی نگاہوں کے سامنے ہیں۔

موت کے بعد اس سے ملاقات ہونی ہے، آج ہی اس کی تیاری کی مہلت ہے۔

یہاں بھی اور وہاں بھی، ہم سے اس کا سارا تعلق اور ہمارے بارے میں اس کے سارے فیصلے ربوبیّت کے فیصلے ہیں، رحمان و رحیم کے فیصلے ہیں اور سراسر رحمت پر مبنی ہیں۔

اسی طرح وہ ساری صفات جن سے قرآن بھرا ہوا ہے۔

ان صفات کے علم اور ان پر یقین کا فطری نتیجہ ہے کہ آپ تمام مخلوقات سے کٹ کر ــــ جو فانی ہیں، ختم ہونے والی ہیں، کوئی حقیقت نہیں رکھتیں ــــ صرف اس خالق کے ہو جائیں جو باقی ہے، ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ جو عین حق ہے۔ یہی تبتّل ہے۔ اسی کی طرف زندگی اور زندگی کی ساری بھاگ دوڑ کا رُخ کر لیں، اسی کو ان کا مقصود اور ہدف بنائیں۔ جو کچھ کریں صرف اس کی رضا اور توجہ، اس کے وجہ کریم کے لیے کریں جو باقی رہنے والا ہے۔ وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ

تَبَتُّل میں اخلاص بھی ہے، اللہ کے لیے یکسوئی بھی اور ساری زندگی، بلاشرکتِ غیرے اس کی اطاعت و بندگی میں دے دینا بھی۔ مخلوقات سے کٹنے کے معنٰی دنیا اور دنیوی زندگی سے کٹنے کے نہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ سے سب سے بڑھ کر محبّت ہو۔ اللہ سے تعلق ہر تعلق پر غالب ہو، دل اللہ کے ساتھ لگا ہوا ہو، اگرچہ ظاہر میں ساری تگ و دو دنیا میں لگی ہوئی ہو، مگر دنیا کے لیے نہ ہو۔ نظر صرف اس کے اختیار پر ہو۔ بھروسا صرف اس کے اوپر ہو۔ ایسا ترکِ تعلق، دنیا کے کسی معاملے کو اور کسی معمول کو ترک کر دینے کا مطالبہ نہیں کرتا شادی ہو، تلاشِ معاش ہو، تحصیل علم ہو، ہنر اور پیشہ ہو، انسانی تعلقات ہوں یا سیاست ہو۔

حضرت ابوذر غِفاریؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا: زُہد یا ترکِ دنیا اس کا نام نہیں کہ تم اپنے اوپر اللہ کی حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام کر لو یا جو مال تمہارے پاس ہے اسے خواہ مخواہ اڑا دو۔ ترکِ دنیا اس کا نام ہے کہ تمہیں بھروسا صرف اس معاملے میں ہو جس کا انجام اللہ کے ہاتھ میں ہے، (اور ہر معاملہ اللہ کے ہاتھ میں ہے)، نہ کہ اس میں جو اپنے ہاتھ میں ہے، (اور کوئی معاملہ اپنے ہاتھ میں نہیں۔) تبتّل ہی سے یہ زُہد اور اس زُہد ہی سے توکّل پیدا ہوتا ہے۔

توکّل

آگے اسی توکّل کی ہدایت فرمائی :

رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيلًا ؕ

مشرق و مغرب کا رب وہی ہے، اس کے سوا کوئی اِلٰہ نہیں۔ پس اسی کو اپنا وکیل بناؤ۔

یہاں اسم "رب" کی ایک تعبیر بیان کی گئی ہے: وہ مشرق و مغرب کا رب ہے۔ مشرق و مغرب کے معنی ساری دنیا، ساری کائنات ہے۔ ہم اپنی زبان میں بھی مشرق و مغرب انہیں معنوں میں بولتے ہیں۔ وہ رب، وہی ساری دنیا کا پالنے والا ہے۔ ہر وجود کی ہر ضرورت اور ہر حاجت پوری کرنے والا وہی ہے، اس لیے ہر اختیار اس کے پاس ہے، ہر چیز پر اسے قدرت حاصل ہے، اس کے سوا کوئی حاکم نہیں۔ لہٰذا اسی کو اپنا وکیل بناؤ۔

وکیل اس کو کہتے ہیں جس کے سپرد آپ اپنا معاملہ کر دیتے ہیں۔ اپنا معاملہ آپ اس کے سپرد کرتے ہیں جس کے بارے میں آپ کو اعتماد اور بھروسا ہوتا ہے کہ :

(۱) اسے آپ کے معاملے کا پورا علم ہے۔

(۲) آپ کا معاملہ آپ کے حق میں فیصلہ کرانے یا کرنے کے لیے وہ پوری اہلیّت اور قدرت رکھتا ہے اور

(۳) اسے آپ کے معاملے میں اتنی دل چسپی ہے کہ وہ اسے ہاتھ میں لے گا۔

اللہ تعالیٰ اسی لیے نعم الوکیل ہے کہ وہ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ہے، وہ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ؕ ہے، اور اس کی دل چسپی اور محبّت اور تعلّق رب، اِلٰہ، رحمٰن اور رحیم جیسی صفات سے بالکل عیاں ہے۔

اس لیے اپنے سارے حالات و معاملات اس کے سپرد کر دو اور اس پر مکمل بھروسا

کرو۔ خصوصاً وہ معاملات جو رسالت اور دعوت و تبلیغ کے اس کام سے متعلق ہیں، جو اسی کا کام ہے اور جو اس نے خود تمہارے سپرد کیا ہے۔ اس کام میں وہ جس طرح تمہارے ساتھ ہے، اس کے اعتبار کے لیے کیا اس کے وہ الفاظ کافی نہیں کہ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا بے شک تم ہماری نگاہوں کے سامنے ہو یا یہ کہ اِنَّنِیْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَ اَرٰی (میں تمہارے ساتھ ہوں، سنتا ہوں اور دیکھتا ہوں)، یا یہ کہ اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ، کیا اللہ اپنے بندے کے لیے کافی نہیں ہے۔

وہ نعم المولیٰ ونعم الوکیل ہے، کیا ہی اچھا مولیٰ، کیا ہی اچھا کارساز۔ اس نے کَفٰی بِاللّٰہِ وَکِیْلًا، اللہ کارسازی کے لیے کافی ہے، کی بشارت دی ہے۔ اس نے وعدہ فرمایا ہے کہ وَمَنْ یَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ فَھُوَ حَسْبُہٗ، جو اللہ پر توکل کرے اللہ اس کے لیے کافی ہو جاتا ہے۔ جو یہ سب جان لیتا ہے، وہ بے اختیار پکار اٹھتا ہے:

حَسْبِیَ اللّٰہُ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا ھُوَ عَلَیْـہِ تَوَکَّلْتُ وَھُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ ط

میرے لیے اللہ کافی ہے، اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں، میں نے اسی پر توکل کر لیا ہے، وہی عرشِ عظیم کا رب ہے۔

توکل کے معنی یہ نہیں کہ آپ وہ تدابیر اور اسباب ترک کر دیں جو ربّ المشرق والمغرب نے مہیا کیے ہیں۔ توکل کے معنی یہ ہیں کہ اسباب کو کار فرما اور مسبّب نہ سمجھیں، تدابیر کو مدبّر کا مقام نہ دیں، ان کی حقیقت کو نگاہوں کے سامنے رکھیں۔

اس توکل کے بغیر دعوت و جہاد کی راہ میں مخالفتوں اور مزاحمتوں کے مقابلے کے لیے وہ اخلاق و کردار پیدا نہیں ہو سکتا جو اللہ تعالیٰ کو مطلوب ہے۔ وہ کیا ہے؟

مخالفت و مزاحمت اور داعیانہ کردار

فرمایا :

وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا وَذَرْنِيْ وَالْمُكَذِّبِيْنَ أُولِي النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِيْلًا ط

اور صبر کرو اس پر جو کچھ لوگ کہتے ہیں' اور خوب صورتی کے ساتھ ان سے الگ ہو جاؤ اور مجھ پر چھوڑ دو ان خوش حال جھٹلانے والوں کو اور مہلت دو انہیں تھوڑی سی۔

دعوت و تبلیغ کی راہ میں' مخالفت میں سب سے پہلے زبانیں استعمال ہوتی ہیں۔ طرح طرح کی باتیں کہی جاتی ہیں' آخر وقت تک کہی جاتی رہتی ہیں۔ ان باتوں کی کاٹ جسمانی اور مالی زخموں سے زیادہ شدید ہوتی ہے۔ جسم پر زخم لگتا ہے تو بالآخر مندمل ہو جاتا ہے' مالی نقصان ہوتا ہے تو اس کی بھی تلافی ہو سکتی ہے' مگر زبان سے دل پر زخم لگتا ہے' تو دل کا گھاؤ مندمل نہیں ہوتا' اس کی تلافی کی صورت بھی مشکل سے نکلتی ہے۔

مخالف جھٹلاتے ہیں' مذاق اڑاتے ہیں' طنز و استہزا کرتے ہیں' طعن و تشنیع کا شکار بناتے ہیں' جھوٹے الزامات لگاتے ہیں' عیب جوئی کرتے ہیں' برائیاں کرتے پھرتے ہیں۔ ان باتوں سے حوصلہ پست ہوتا ہے' ہمت ٹوٹتی ہے' دل شکستگی ہوتی ہے' حزن اور غم ہوتا ہے' اور مایوسی ڈیرے ڈالنا شروع کر دیتی ہے۔ زبان کی ایذا شدید ترین ایذا ہوتی ہے۔

اس لیے اللہ تعالیٰ نے بار بار یہ بھی بیان کیا ہے کہ زبان کے وار کیا ہوتے تھے اور کتنے شدید ہوتے تھے۔ جو مخالف کہتے اس پر صبر کرنے کی' حزن کا شکار نہ ہونے کی' اپنی دعوت پر جمے رہنے کی' اپنے کام میں لگے رہنے کی تاکید بھی فرمائی ہے۔

(طٰہٰ ۲۰ : ۱۳۰' صٓ ۳۸ : ۱۷' قٓ ۵۰ : ۳۹)

صبر کی راہ بھی بتائی ہے: اپنے سے پہلے کے رسولوں پر جو گزری اور جس طرح انہوں نے صبر کیا اسے یاد رکھو (صٓ، قٓ) اور اللہ کے ذکر اور تسبیح میں مشغول ہو جاؤ۔ (طٰہٰ، قٓ)

سورہ المزمّل میں قیامِ لیل اور ذکر کا حکم پہلے ہے، جو باتیں لوگ بناتے ہیں ان پر صبر کا حکم بعد میں ہے۔ سورہ طٰہٰ اور سورہ قٓ میں، یہ ترتیب بدل گئی ہے۔ صبر کا حکم پہلے ہے، نماز اور ذکر و تسبیح کا بعد میں، گویا صبر کی جڑ بھی نماز اور ذکر و تسبیح ہے۔ اس کی تقویت اور استقامت کا سامان بھی یہی ہے۔ اور مخالفتوں کے ہجوم میں اللہ کو یاد کرنا بھی صبر کے بغیر ممکن نہیں۔

صبر کرو کے معنی یہ ہیں کہ اپنے کام میں لگے رہو، اپنے مقام سے نہ ہٹو، قدم نہ ڈگمگائیں، مایوسی راہ نہ پائے، حوصلہ نہ ٹوٹے۔ صبر کے معنی یہ بھی ہیں کہ برائی کا جواب برائی سے نہ دو۔ بلکہ صبر کا اعلیٰ ترین مقام یہ ہے کہ برائی کا جواب بھلائی سے دو، گالیوں کا جواب دعاؤں سے دو۔ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ...... وَمَا یُلَقّٰهَاۤ اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَمَا یُلَقّٰهَاۤ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ ؕ برائی کو بھلائی سے دفع کرو۔ یہ اسی کا نصیب ہے جو صبر کرے اور یہ اسی کا نصیب ہے جو بڑے مقدر والا ہے۔ (حٰمٓ السجدہ ۴۱ : ۳۴-۳۵)

صبر کا سرچشمہ بھی اللہ تعالیٰ ہے۔ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ، اور تمہارا صبر صرف اللہ کے ساتھ ممکن ہے۔ وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْیُنِنَا اپنے رب کے فیصلے تک صبر کرو کہ تم ہماری نگاہوں کے سامنے ہو۔

صبر کے ساتھ ہجرِ جمیل کی ہدایت بھی کی جا رہی ہے۔ ہجر یعنی چھوڑنے کے معنی ترکِ تعلق اور سوشل بائیکاٹ نہیں۔ ہجر کے ساتھ جمیل کی شرط لگائی گئی ہے۔ جمیل کا لفظ خود ترکِ تعلق کی نفی کر رہا ہے۔ کیوں کہ رسول اللہ ؐ نے اللہ کے ہر حکم کی تعمیل کی ہے اور آپ کی پوری زندگی میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی کہ آپؐ نے جانی دشمنوں کے ساتھ بھی میل جول، اٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا، ملاقات، گفتگو، لین دین ترک کیا ہو، اس لیے اس میں شک کی گنجائش نہیں کہ ایسی روش اس ''ہجر'' کے زمرے میں نہیں آتی جس کا یہاں حکم دیا جا رہا ہے۔

ہجرِ جمیل میں صرف برائی کا جواب بھلائی سے دینا ہی نہیں بلکہ برائی کا جواب برائی سے نہ دینا بھی شامل ہے۔ عناد، دشمنی، انتقام، گالی، لعن طعن، لڑائی جھگڑا، فضیحت ---- یہ

وہ چیزیں ہیں جن کی داعی کی روش میں کوئی جگہ نہیں ہو سکتی۔

ہجرِ جمیل میں یہ بھی شامل ہے کہ "مخالفوں کے منہ نہ لگو" ان کی بیہودگیوں کو بالکل نظر انداز کر دو، ان کی کسی بدتمیزی کا جواب نہ دو، پھر یہ احتراز بھی کسی غم، غصّے اور جھنجلاہٹ کے ساتھ نہ ہو۔"

ہجرِ جمیل میں یہ بھی شامل ہے کہ بظاہر دنیوی میل جول اور بات چیت رکھو، ترکِ تعلّق نہ کرو، لیکن دل کا تعلق ان سے نہ ہو جو اللہ کے دشمن ہوں، ان سے ہو جو اللہ کی راہ کے ساتھی ہوں۔

ہجرِ جمیل روش کے لیے یہ ضروری ہے کہ تم مخالفوں کا معاملہ اللہ پر چھوڑ دو۔ تمہارا یہ اختیار نہیں کہ ان سے زبردستی منوالو اور نہ یہ تمہاری ذمہ داری ہے۔ تمہارے ہاتھ میں قدرت و اختیار نہیں۔ تمہارا کام بلاغ ہے، ان کے اعمال کا حساب اللہ کے اوپر ہے۔ جو داعی اس حقیقت کو پا جاتا ہے اور اپنے مخالفوں کا معاملہ اللہ پر چھوڑ دیتا ہے، اس کے قدم کبھی حق، عدل، احسان اور صبر کی راہ سے نہیں ڈگمگاتے۔

ہجرِ جمیل کی یہ روش صبر کے بغیر ممکن نہیں۔ اس لیے ہجرِ جمیل کی ہدایت سے پہلے صبر کی ہدایت کی گئی۔

صبر کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ مخالفین کے لیے بددعا یا ان سے مایوسی میں استعجال سے اجتناب کرو۔ ان کو مہلت دو کہ یہ حق قبول کرلیں یا ان پر اتمامِ حجّت ہو جائے اور ان کے بارے میں اللہ کا حکم صادر ہو جائے۔

یہ بھی معلوم ہوا کہ حضورؐ کی مخالفت میں اور آپ کا انکار کرنے میں پیش پیش خوش حال اور دولت مند لوگ تھے۔

ان دو آیات میں آپ کے سامنے اس کردار اور اخلاق کی پوری تصویر آتی ہے جس کی تعلیم اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو دی اور جس اخلاق سے آپؐ کی داعیانہ زندگی جگمگا رہی ہے۔

اختتامی ہدایات

سورت کے آخر میں چند اور قیمتی ہدایات ہیں، جن کا مختصر تذکرہ یہاں ضروری ہے۔

(۱) جب حضورؐ کے گرد جماعت کا دائرہ وسیع ہوگیا، تو اللہ تعالیٰ نے انسانی مجبوریوں اور کمزوریوں کے پیشِ نظر قیام لیل کی فرضیت منسوخ کرکے اقامتِ صلوٰۃ اور ایتاءِ زکوٰۃ کا حکم دیا۔

یہ بھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ کن انسانی کمزوریوں اور مشغولیتوں کی خاطر اس بے بہا مگر دشوار عمل میں سہولت پیدا کی گئی۔ فرمایا:

اللہ جانتا ہے کہ تم میں بعض بیمار ہوں گے۔ کچھ اور اللہ کا فضل (رزق) تلاش کرنے کے لیے تگ و دو میں مشغول ہوں گے (یعنی تلاش معاش میں) اور کچھ دوسرے اللہ کی راہ میں لڑیں گے۔

یہاں سے دین کی حکمت کا یہ انتہائی اہم اصول بھی واضح ہوگیا کہ ہدایت کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہونا چاہیے اور ہوگا، کمزور اور ضعیف انسان بھی اس دائرے میں داخل ہوں گے، دین کے کم سے کم مطالبات ان کی استطاعت سے باہر نہیں ہونے چاہئیں۔ الدین یسر کا تقاضا ہے کہ تیسیر دین کی بنیاد ہو، جیسا کہ نبی کریمؐ نے کثرت سے ارشاد فرمایا ہے۔

فرض وہی چیز ہوسکتی ہے جو انسان کے بس اور اختیار میں ہو۔ چناں چہ قیام لیل کی جگہ اقامتِ صلوٰۃ کا حکم دینا اس بات کی دلیل ہے کہ اقامتِ صلوٰۃ اور ایتاءِ زکوٰۃ ہر انسان کے بس میں ہے، کسی کی استطاعت سے باہر نہیں۔

رحمان و رحیم کی رحمت و عدل کا تقاضا ہے کہ کسی انسان پر اس کی استطاعت

سے بڑھ کر بوجھ نہ ڈالا جائے۔ لیکن اس کی رحمت کا ظہور یہ ہے کہ اس نے عشا اور فجر کی نمازیں باجماعت ادا کرنے کا ثواب پوری رات کے قیام کے برابر کر دیا۔

(۲) اس کے ساتھ اللہ نے قرض حسنہ بھی مانگا۔ یہ قرض حسنہ دین کے کام کے لیے خرچ کرنے کے لیے مانگا گیا ہے۔ یہ ایتاءِ زکوٰۃ کے سوا اور اس سے زائد چیز ہے۔ حسنہ کے معنی یہ ہیں کہ اخلاص سے دو۔ صرف اللہ کے لیے دو، دل کھول کر دو، دے کر احسان نہ سمجھو اور احسان نہ جتاؤ۔

(۳) یہ یقین ہی انفاق فی سبیل اللہ کے لیے دل اور جیب کو کھول سکتا ہے کہ یہاں دنیا میں جو کچھ اللہ کی راہ میں دیں گے وہ آخرت میں اس کے پاس بہتر اور عظیم اجر کی صورت میں ملے گا۔ اس اجر پر نگاہ رکھنا ہی سارے اعمال کی کلید ہے۔

(۴) چوتھا حکم استغفار کا ہے۔ اپنا جائزہ، اپنا احتساب، اپنے گناہوں پر ندامت، ان پر اللہ کی ناراضی اور عذاب کا خوف، اسی کی طرف پلٹ کر اس سے مغفرت طلب کرنا، اپنے گناہ پر اصرار نہ کرنا اور یقین رکھنا کہ گناہ صرف وہی بخش سکتا ہے: یہ ہے استغفار کا خلاصہ۔ یہ راہِ حق کا ناگزیر زادِ راہ ہے۔

استغفار ہی سے دنیا میں عزت و کامرانی اور خوش حالی کی راہ کھلتی ہے، استغفار ہی سے جنّت کی راہ بھی کھلتی ہے۔ استغفار ہی میں دل کی زندگی ہے، استغفار ہی سے قوموں کی زندگی ہے۔ مغفرت کے بغیر آخرت میں جنّت میں داخلہ ممکن نہیں۔ استغفار ہی سے دنیا میں آسمان کے دہانے کھول دیے جاتے ہیں، کھیتیاں سونا اُگلنے لگتی ہیں۔ معیشت مالا مال ہوتی ہے، قوت میں دن دونی رات چوگنی ترقی ہوتی ہے۔ (نوح)

حرفِ آخر

یہ مختصر سورت آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ یہ تربیتِ نفس کی پہلی منزل، اس کا بنیادی اور پہلا نصاب ہے۔ آپ اسے مضبوطی کے ساتھ تھام لیں اور اس پر عمل کی کوشش میں لگ جائیں تو ان شاءاللہ تزکیہ و تربیت کی راہ آپ کے لیے کھلتی چلی جائے گی۔

اس نسخہ کے اجزا کو ایک دفعہ پھر دُہرا لیجیے۔

۱۔ قیامِ لیل
۲۔ ترتیلِ قرآن
۳۔ دعوت الی اللہ
۴۔ ذکرِ الٰہی
۵۔ تبتّل (اخلاص و یکسوئی)
۶۔ توکّل
۷۔ صبر
۸۔ ہجرِ جمیل
۹۔ اقامتِ صلوٰۃ
۱۰۔ ایتاءِ زکوٰۃ
۱۱۔ اللہ کو قرضِ حسنہ
۱۲۔ اجرِ آخرت پر نگاہ
۱۳۔ استغفار

شب کی چند دعائیں

اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ، وَبِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوبَتِكَ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْكَ، لَا أُحْصِي ثَنَاءً عَلَيْكَ، أَنْتَ كَمَا أَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ۔

میرے اللہ میں تیرے غصہ سے تیری رضا کی پناہ مانگتا ہوں اور تیری سزا سے معافی کی پناہ۔ اور تجھ سے تیری پناہ میں تیری ثنا کا حق ادا نہیں کرسکتا، تو ویسا ہی ہے جیسی تو نے خود اپنی ثنا کی۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِي قَلْبِي نُورًا، وَفِي لِسَانِي نُورًا، وَاجْعَلْ فِي سَمْعِي نُورًا وَفِي بَصَرِي نُورًا، وَاجْعَلْ مِنْ خَلْفِي نُورًا، وَمِنْ أَمَامِي نُورًا، وَاجْعَلْ مِنْ فَوْقِي نُورًا، وَمِنْ تَحْتِي نُورًا، اَللّٰهُمَّ أَعْطِنِي نُورًا۔

اے اللہ میرے دل میں اور میری زبان میں نور کردے اور میری شنوائی اور بینائی میں نور کردے اور میرے پیچھے اور آگے نور کردے اور میرے اوپر اور نیچے نور کردے اور مجھے نور عطا کر۔ (مسلم)

اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الرِّضَا بِالْقَضَا، وَبَرْدَ الْعَيْشِ بَعْدَ الْمَوْتِ، وَلَذَّةَ النَّظَرِ إِلٰى وَجْهِكَ الْكَرِيمِ، وَالشَّوْقَ إِلٰى لِقَائِكَ فِي غَيْرِ ضَرَّاءَ مُضِرَّةٍ وَلَا فِتْنَةٍ مُضِلَّةٍ۔

میرے اللہ میں تجھ سے مانگتا ہوں، تیرے فیصلہ پر رضامندی، موت کے بعد پُرلطف زندگی، تیرے وجہِ کریم پر نظر اور اس کا دیدار اور تیری ملاقات کا شوق، جو بغیر کسی ضرر کے اور ضلالت کے ہو۔